نیرنگ جنوں

(افسانے)

شہناز رحمٰن

© جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ!

NAIRANG-E-JUNOON
(Short Stories)
by
Shahnaz Rahman
Year of Edition 2016
ISBN 978-93-86285-
` 250/.

نام کتاب	:	نیرنگِ جنوں (افسانے)
مصنّفہ و ناشر	:	شہناز رحمٰن
سنِ اشاعت	:	۲۰۱۶ء
قیمت	:	۱۴۱ روپے
تعداد	:	۵۰۰
مطبع	:	عفیف پرنٹرس، دہلی۔۶

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3191, Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 23214465, 23216162, Fax: 0091-11-23211540
E-mail: info@ephbooks.com,ephdelhi@yahoo.com
Website: www.ephbooks.com

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

انتساب

''ان حالات اور کرداروں کے نام جو افسانہ نگاری کے محرک بنے''

''ہم لکھنے والے پیغمبر نہیں۔ہم ایک ہی چیز کو ،ایک مسئلے کو مختلف حالات میں، مختلف زاویوں سے دیکھتے ہیں اور جو کچھ ہماری سمجھ میں آتا ہے، دنیا کے سامنے پیش کر دیتے ہیں اور کبھی مجبور نہیں کرتے کہ وہ اسے قبول ہی کرے۔''

---سعادت حسن منٹو

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

''خدااوراس کے تصور کے بعد پہلا افسانہ اس وقت لکھا گیا جب آدم کے پہلو سے حوّا برآمد کی گئی۔دوسرا افسانہ اس وقت لکھا گیا جب دو وجود، مرد یا عورت، ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے اور اپنی اپنی ذات کو محسوس کرنے لگے۔اور کہا--میں اور تو۔۔۔۔اور پھر وہ مسکرانے ،آب دیدہ ہونے لگے؛ پھر اس میں ترنم شامل ہو گیا،روشنی کی لپٹیں چلی آئیں؛دونوں ایک دوسرے میں کھو گئے؛ایک بچہ اس دنیا میں لائے، جو انسان کا سب سے پہلا مختصر افسانہ تھا۔''میں''اور''تو'' کے بعد بچہ---''وہ'' تھا۔

پھر اس افسانے میں ،مدراس کی گھٹیا تصویروں کی طرح سے،خواہ مخواہ کی پیچیدگیاں چلی آئیں،ایک اور بچہ چلا آیا۔پہلا ہابیل تھا تو یہ قابیل۔دونوں آپس میں لڑنے لگے اور یوں ہی لڑتے جھگڑتے جوان ہو گئے۔وہ ایک دوسرے کو مارنے مرنے پر تیار تھے۔کبھی پیٹ کی خاطر اور کبھی عورت کے لئے، جو کہ ان کی اپنی ہی بہن تھی؛ آخر قابیل نے ہابیل کو جان سے مار دیا اور یوں انسان کی اولاد ترقی کرنے لگی۔آدم کے بیٹوں کے مرنے پر اس وقت کی بزرگ عورت نے اپنے کے جوان اور خوبصورت بیٹوں کو اپنا شوہر بنایا اور بوڑھے گھوسٹ شوہر کو مار مار جنگلوں میں بھگا دیا۔یہ شاید تیسرا یا چوتھا افسانہ تھا۔''

---راجندر سنگھ بیدی

''فکشن زندگی کے لئے آئینہ کا کام کرتی ہے اور جس طرح آئینے میں شئے جھلملاتی ہے اسی طرح فکشن میں زندگی اپنا عکس دیتی ہے۔چیزیں نظر آتی ہیں، گھر اور مقام دکھائی دیتے ہیں اور لوگ نظر آتے ہیں۔اور کبھی کبھی کہانی کہنے والا بھی دکھائی دیتا ہے۔لیکن وہ صرف دوسروں کی پہچان کرتا ہے۔اور اس کی اپنی پہچان کے لئے ضمیر واحد متکلم کا وسیلہ ہی ممکن ہوتا ہوتا ہے۔لیکن کہانی میں جب یہ واحد متکلم سامنے آتا ہے وہ بھی کھوئے ہوئے لمحے کا حصہ ہوتا ہے اور خود کہانی بنتے ہوئے سامنے آتا ہے۔اس لئے یہ کہنا درست ہوگا کہ فکشن لکھنے والا ہر لمحہ کہانی بنتا ہے اور برابر کھوئے ہوئے لمحوں میں شامل ہوتا چلا جاتا ہے۔''

---جیلانی کامران

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

فہرست

☆ کپل وستو کی مٹی میں گندھے افسانے/ حامد سراج

۱۔ستیہ وان

۲۔خونچکاں

۳۔طائرِ بے نوا

۴۔باگ ڈور

۵۔انجانی تشنگی

۶۔نیرنگِ جنوں

۷۔ شگافوں کے پیچھے

۸۔نہ کہیں جہاں میں اماں ملی

۹۔مکمل نامکمل

۱۰۔اندھیروں کا علاج

۱۱۔افسانہ

۱۲۔بے خوابیاں جوان ہیں جس سمت دیکھئے

۱۳۔راج محل

۱۴۔ساغر ہو صراحی ہو

۱۵۔وہ ایک لمحہ

۱۶۔غرورِ شب

۱۷۔عجیب سکھ

۱۸۔ذکیہ تاب زریں

۱۹۔کاتب تقدیر

۲۰۔انمول

۲۱۔کپوت

۲۲۔اپنا کہیں جسے

۲۳۔اُداسی کا سبب

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

کپل وستو کی مٹی میں گندھے افسانے

افسانہ اپنی پوری آب وتاب سے اصناف سخن کے بازار میں موجود ہے۔ نہ صرف افسانہ موجود ہے بلکہ اردو افسانے کا قاری بھی موجود ہے' نہ قاری گم ہوا ہے اور نہ ایسے کسی بھی بیان کی ضرورت ہے جو اکثر سکہ بند نقادوں کی طرف سے اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لئے وقتاً فوقتاً داغ دیا جاتا ہے۔ کسی بھی تخلیق پر رائے دیتے ہوئے ایک ایسے چلن نے رواج پالیا ہے جس کی ضرورت میں ہرگز نہیں سمجھتا۔ وہ ہے تخلیق پر بات کرنے سے قبل اپنی علمیت کا رعب جھاڑنا۔ اب اردو افسانے کی تاریخ اپنی صدی مکمل کرنے کے بعد رواں دواں ہے تو اسے رواں رہنے دیا جائے' دیباچے میں اس پر کئی صفحات کالے کرنے کی کیا ضرورت ہے اور ساتھ ہی ایک طویل چار دیواری کھڑی کرنا کہ معاصر افسانہ نگاروں میں یہ تخلیق کہاں کھڑی ہے۔ آٹھ دس صفحات میں قاری کو الجھائے رکھنے سے قاری کو یہ سمجھنا مشکل ہوجاتا ہے کہ کیا وہ اردو افسانے کی تاریخ کا مطالعہ کررہا ہے یا کسی افسانوی مجموعے کے تعارف سے گزر رہا ہے۔ شہناز رحمٰن کو جانے کیا سوجھی کہ کسی قد آور نقاد' یا افسانہ نگار سے اپنے افسانوی مجموعے کا دیباچہ لکھوانے کی بجائے ایک افسانہ نگار کے سامنے مسودہ رکھ دیا۔ ''نیرنگ جنوں'' کی دنیا کی نیرنگیوں کو سمجھنا اتنا آسان نہیں جتنا میں نے اپنے طور پر جانا۔ ایک طریقہ کار جو اکثر دیباچہ نگاروں کے یہاں ملتا ہے کہ چند مخصوص جملے بٹھانے کے بعد افسانوں کے اقتباس دئے چلے جانا۔ یہ طریقہ ''قینچی اور گوند'' کہلاتا ہے جو عہد حاضر میں رائج ہے۔ انگریزی اصطلاحات اور الفاظ کا چھڑکاؤ بھی عام ملتا ہے۔ میں ذاتی طور پر دیباچہ نگار نہیں' یہ میرا شعبہ ہی نہیں۔ کوئی مجبور کر ڈالے تو جان پر بن آتی

ہے۔ میں ''کتاب کی نقاب' دیباچے میں الٹ دینے کے حق میں نہیں ہوں۔ میں کسی افسانے کا گھونگٹ بھی نہیں سرکنے دیتا کہ یہ قاری کا کام ہے۔ اختصار کی تخلیقی پگڈنڈی پر چند قدم چلنا میرا مزاج ٹھہرا۔ میرے لئے یہ بات حیران کن اور خوش گوار تھی کہ ایک نیپالی لڑکی اتنی شفاف اردو بول اور لکھ سکتی ہے۔ وہ بچپن سے نیپال میں رہی پھر اردو زبان وادب کے ساتھ کیسے اتنا گہرا جڑ گئی کہ اردو ادب ہی اس کی پہچان اور نام کی شناخت ہے۔ اس نے کب اردو زبان سے محبت کی ۔۔۔؟ بچپن سے ۔۔۔؟ اس نے اردو رسم الخط کب سیکھا۔۔۔؟ یہ سب جاننا ضروری ہے۔ اس کے بنا شہناز رحمٰن کی تخلیق کے پرت نہیں کھلیں گے۔ شہناز کا کہنا ہے:۔

''کپلوستو میں ڈھنگ کا کوئی اسکول نہ ہونے کی وجہ سے میں پانچویں کلاس سے ہی ہاسٹل چلی گئی تھی۔ ہاسٹل میں 90% ہندوستان کے مختلف خطوں کی لڑکیاں تھیں جو اودھی بولتی تھیں۔ پانچویں کلاس سے انٹرمیڈیٹ تک تاریخ، جغرافیہ، ہندی اور انگریزی کی طرح ایک مضمون کی حیثیت سے اردو پڑھتی رہی۔ دسویں کلاس سے افسانے جیسی تحریریں لکھنے لگی تھی۔ ایک بار چھٹیوں میں گھر گئی تو پوری ایک ڈائری لکھ ڈالی۔ کچھ مخصوص دوستوں کو سنایا بھی۔ اس کے بعد 2007 میں جب میرا داخلہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہونے لگا تو میں نے اردو کو ترجیح دی اور اردو سے گریجویشن مکمل کیا۔ پھر ماسٹر اور اب ریسرچ کررہی ہوں۔

تیسری جماعت میں اول آنے پر مجھے جو ڈائری ملی تھی اس پر اپنے استاد سے میں نے اردو کا کوئی شعر لکھنے کے لیے کہا تھا۔ اردو والوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں۔ لیکن میں نے اپنی پسند سے اردو پڑھی اور خوب خوب انجوائے کیا ہے

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

۔میں فخر سے کہتی ہوں کہ میں اردو لٹریچر پڑھ رہی ہوں۔''

شہناز رحمٰن اندھیروں کی معالج ہے۔وہ اپنے افسانوں میں تاریکی کے علاج کے لئے اپنے نوک قلم سے ایک قندیل روشن کر دیتی ہے۔اسے ''اندھیروں کا علاج'' کرنا آتا ہے۔وہ افسانوں کے آخری جملوں میں افسانے کا زخم رفو کرنا خوب جانتی ہے۔وہ ''خونچکاں'' ایسا افسانہ تراشتی ہے تو فن کو اوج کمال تک لے جاتی ہے۔وہ نوحہ گر ہے' وہ معاشرے کے تعفن کی سڑاند سے بچنے کے لئے ماسک پہن کر افسانہ نہیں لکھتی۔زمین پر مرد اور عورت کی جنسی کشش کو مذاہب نے نکاح کے ساتھ پاکیزگی عطا کی اور اسی سے نسل انسانی کی بقا ہے۔ اس کی اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے ''بے حسی کی انتہا ہوگئی' روحوں کے اندر جنسی تلذذ کا مادہ نسل بڑھانے کے لئے رکھا گیا تھا مگر اب اس کی اہمیت صرف لطف اٹھانے تک محدود ہو گئی۔نئی نسل نے اس نعمت کے خاص مقصد کو پس پشت ڈال دیا محض جسمانی بھوک کی تکمیل اس کا محور ہے۔نئی نسل قانون فطرت سے بغاوت کر کے من مانا قانون بنانے پر آمادہ ہے''۔اس افسانے نے میری روح کے تار جھنجوڑ ڈالے۔آپ مطالعہ کیجئے۔قوم لوط کی پیروی کا عذاب زلزلوں کی شکل میں ہم پر مسلط ہے لیکن ہم نے روح کی آنکھوں کے سامنے سیاہ پردے تان لئے ہیں۔افسانہ نگار اپنے کسی بھی افسانے سے سرسری نہیں گزری۔کہا جاتا ہے کہ گہرا مطالعہ اور مشاہدہ ایک عمدہ افسانے کو جنم دیتا ہے۔شہناز رحمٰن ایک ایسی کثیر المطالعہ شخصیت کا نام ہے جس نے کم عمری میں پورے کتب خانے اپنے ذہن میں محفوظ کر لئے ہیں۔میری اس بات میں مبالغہ آرائی کا ذرہ سا بھی عمل دخل نہیں۔جب ڈاکٹر مرزا حامد بیگ اس کی تخلیقی نثر اور تنقیدی بصیرت پر اپنی پسندیدگی کی مہر ثبت کرتے ہیں تو اس کی محنت کو وقار اور معیار کی ضمانت مل جاتی ہے۔وہ افسانہ تراشتے ہوئے ''افسانہ'' کے عنوان سے جب افسانہ تراشتی ہے تو عہد جدید کی ان تمام تر ایجادات پر گہری چوٹ پڑتی ہے جنھوں نے

انسانی شخصیت پر گہرے نفسیاتی اثرات چھوڑے ہیں وہ بیان کرنے کا قرینہ اور نبھانے کا فن جانتی ہے۔شہناز کا ایک افسانہ ہے' بڑا منفرد سا' دل کو چھو لینے والا' جو مجھے اداس کر گیا ''بے خوابیاں جواں ہیں جس سمت دیکھئے''۔افسانے میں فسادات کا کرب ہے' اپنی مٹی سے ہجرت کا عذاب ہے' رشتوں کے ریشے جو ایک دوسرے میں پیوست ہیں ان کا درد ہے لیکن ایک لڑکی کا اپنے آبائی گھر کے دیوار و در سے' اس میں چنی اینٹوں کی درزوں سے جو رشتہ ہے اس کو شہناز نے ایسے انداز میں امر کیا ہے کہ اپنے تخلیقی سفر کا ایک شان دار افسانہ اردو افسانے کو دان کیا ہے۔اس افسانے کے عنوان کی بس طوالت کھلتی ہے۔اگر عنوان یک لفظی ہوتا تو زیادہ بہتر تھا۔افسانہ ''شگافوں کے پیچھے'' میں معنویت کا ایک جہانِ معنی پوشیدہ ہے۔عجیب اداسی اور ایک درد ہے جو افسانے کے کردار سے نکل کر قاری کے دل میں بیٹھ جاتا ہے اور دل کو لے بیٹھتا ہے۔میں نے شروع میں عرض کر دیا تھا کہ دیباچے میں مکمل افسانہ کھولنا، اس کا گھونگٹ الٹنا میرا مزاج نہیں اور نہ ہی مجموعے کے تمام افسانوں کو ادھیڑ کر کتاب کو بے نقاب کر ڈالنا مجھے مناسب معلوم پڑتا ہے۔میں اس عمل کو قاری کے ساتھ زیادتی سمجھتا ہوں۔شہناز رحمٰن کی تخلیق آپ کے سامنے ہے۔اردو افسانے کے مستقبل کا تابناک نام اردو زبان و ادب کے کواڑ پر دستک دے رہا ہے۔

محمد حامد سراج
چشمہ بیراج: ضلع میانوالی [پاکستان]
hamidsiraj@hotmail.com

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

ستیہ وان

ممی! میں نے نیٹ پہ پورا ایریا دیکھ لیا ہے۔اور آپ کے بتانے کے مطابق ٹھیک اسی لوکیشن پر ایک محلّہ بھی ہے جس کا نام علی پور ہے۔آپ پاپا سے کہہ دیجیے اس سال کی چھٹی میں ضرور انڈیا لے کر چلیں۔

لیکن آپ کے پاپا نے تو ساؤتھ افریقہ جانے کا پلان کیا ہے اریطہ نے بہانہ بنایا۔

میں کچھ نہیں جانتا اس بار کوئی Excuse نہیں چلے گا۔اور ہاں جب انڈیا جائیں گے تو نانی سے ملنے علی پور بھی چلیں گے۔

انڈیا جانے کی بڑی خواہش ہے جاؤ گے تو رہو گے کہاں؟

کیوں؟

دادا جان ہم سے ناراض ہیں گھر میں داخل ہی نہیں ہونے دیں گے۔یہ سب چھوڑو اپنی پڑھائی کرو تمہارا سلیکشن ہو جائے پھر چلیں گے۔اریطہ نے کہا۔

ماتا گریٹ!!! آپ بھول کیوں جاتی ہیں کہ میں قاضی شمس الدین کا پوتا ہوں۔ میں جاؤں اور دادا جان مانیں نہیں؟ ایسا ہو نہیں سکتا۔۔اور جہاں تک میرے سلیکشن کی بات ہے، وہ تو ضرور ہو گا۔۔

دائی صاحب اپنی وہ کہاوت ممی کو سنا دیجیے جو میرے لئے کہا کرتی ہیں۔

بابت پوت پراپت گھوڑا کچھ نا ہیں تو تھوڑم تھوڑا۔ ارے بٹوائے' باجی تو کے 'سِکھا' ئیں یاد کرائن لیکن اتنا مُوٹ مُوٹ کتاب یاد کر لیت ہو اِی' نائیں یاد کر پائین۔دائی

صاحب نے کہا۔

کیا کروں دائی صاحب؟؟ میرے والدین مجھے انگریز بنانا چاہتے ہیں کبھی انڈیا کی شکل ہی نہیں دکھائی تو انڈین کہاوت کیسے یاد کر پاؤں؟؟ وہ تو آپ کا کرم ہے کہ تھوڑا بہت سکھاتی رہتی ہیں ورنہ میری ماں تو صرف اردو ڈراموں کے ڈائیلاگز۔۔۔

O

ستیہ وان سرکس ٹیم کو آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا پورے قصبے میں دھوم مچی تھی۔ بچے سے لے کر بوڑھے تک سب سرکس دیکھنے کے اتنے دیوانے ہو گئے تھے کہ راتوں کی نیند ترک کر دی تھی سرکس ٹیم کی سب سے مشہور رقاصہ کا نام سب کی زبان پر چڑھا ہوا تھا۔

کھیتا لا یادو نے آ کر کہا!۔ارے رکنو بابو کچھ سنے ہو!! سنت کبیر نگر میں سرکس آوا ہے اتنا مزیدار ہے کہ اوکرے آگے نکھلوٗ والا اندر سبھا پھیل ہو گوا ہے۔ریتا نام کے' ایک لڑکی ہی پانچ روپیہ میں دس کھیل دیکھاوت ہی' ارے پوچھو نہ جیسے پُھر گدی اُڑت' ہی' اگر دیکھے کے ہے تو چلورات کے ہمرے ساتھے۔

رکن الدین نے کہا یادو جی آپ اتنی تعریف کر رہے ہیں تو ٹھیک ہے چل کے دیکھ ہی لیتا ہوں لیکن ابا جان سے چھپ کے جانا پڑے گا اگر انھیں پتہ چل گیا تو شامت بنا کے رکھ دیں گے۔

سرکس گراؤنڈ میں کہیں پیر رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ پورا سنت کبیر نگر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا لائٹ ایک پل کے لئے نہ کٹتی تھی رکن الدین اپنی خیر کی دعائیں کرتے ہوئے کھیتا لا کے ساتھ سرکس دیکھنے تو چلے گئے مگر جلوؤں کا ازدحام دیکھ کر حیران ہو گئے۔ اور گھبرا کر ایک کونے میں کرسی لے کر بیٹھ گئے۔ ہزاروں کی اس بھیڑ میں بیشتر تو

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

انھیں پہچانتے ہی تھے۔

ضلع کلکٹریٹ قاضی شمس الدین کا بیٹا ہونے کی وجہ سے رکن الدین کو ہر جگہ بڑی احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ یہاں بھی یہی ڈر تھا کہ کہیں والد کے دامن شرافت پر بدنما داغ نہ بن جائیں۔

سرکس دیکھنے کے بعد صاحبزادے نامدار رکن الدین سانولے سلونے مقناطیسی کشش رکھنے والی ریتا کو بھول نہ پائے۔ اس کی مخروطی انگلیاں جو بار بار گھنگھریالی لٹوں میں الجھ کر ناظرین کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھیں نظروں کے سامنے گردش کرتی رہیں۔

دوسرے دن پھر کھیتالا نے کہا۔ رکنو بابو سنے ہن کہ آج راجندر سنگھ بیدی کے 'ڈرامہ ''سات کھیل'' اسٹیج پر کھیلا جائی۔ چلبو دیکھے؟

ایک طرف ریتا کی بولتی آنکھوں کی جادوئی کشش دوسری طرف بیدی کا سات کھیل۔ شوق نظر بے تاب ہوگئی۔ ساری احتیاط بالائے طاق رکھ کر نکل پڑے۔

کھیل ختم ہونے کے بعد سب ڈھابے پر چائے پینے لگے چند باذوق ناظرین نے ریتا سے غزل سنانے کی فرمائش کی۔

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مترنم آواز میں مومن کی غزل سن کر مدہوشی میں اضافہ ہوگیا۔ موصوف نامدار سرکس ٹیم کی مالکن کے پاس گئے، جو دیکھنے میں مدراسی لگتی تھی ریتا سے ملنے کی اجازت چاہی۔

اس نے پہلے تو پوچھا۔ تو کیوں ریٹا شے ملنا چاہتا ہے۔ اڑا کے لے جائے گا کیا؟

ناہیں میڈم اِی' بہوت سریف گھر کے' ہیں جلع کلکٹریٹ کے بڑا ہوئیں۔ کھیتالا

نے تعارف کرایا۔

مالکن نے ملنے کی اجازت دے دی مگر ڈر رہی تھی کہ نہ جانے کیا بات کرے گا کہیں اس سے مل کر ریتا پھسل نہ جائے ویسے تو بہت سے لوگ ریتا سے ملنے کی اجازت لیتے مگر رکن الدین کو دیکھ کر زیادہ ہی مرعوب ہو رہی تھی۔

ریٹا کپڑے پہن کر آجا لونڈا تجھ شے ملنا چاہتا ہے۔۔

ریتا نے آکر کہا۔ نمستے۔

''تم نے ڈرامہ بہت پُر اثر انداز میں کھیلا اور تمہارے سرکس نے تو اس علاقے کے لوگوں کو دیوانہ بنا دیا ہے''

رکن الدین کو اس کے علاوہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اتنا ہی کہنے پر اکتفا کیا۔

دھنیواد۔ ریتا نے کہا۔

آخر کار جس بات کا ڈر تھا وہی ہوا۔ سرکس سے نکلتے ہوئے مرزا حیات بخش نے رکن الدین کو دیکھ لیا۔ گورا رنگ، سفید براق سر سیدی داڑھی، غلافی آنکھیں، گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئیں، لبوں پر پان کی سرخی دیکھ کر طبیعت مرعوب ہو جاتی مگر دماغ ذرا تخریب کی طرف مائل تھا۔ جھگڑوں، ہنگاموں اور بحثوں کو میرزا صاحب وجہ رونق سمجھتے تھے۔

صبح ناشتے کے بعد حیات بخش صاحب بن بلائے آدھمکے، رات والی بات وہ کیسے ہضم کر سکتے تھے۔

قاضی صاحب سے علیک سلیک کے بعد اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں،، پھر گویا ہوئے۔۔ کیا بات ہے؟؟ ''وکیل رکن الدین صاحب'' نہیں دکھائی دے رہے ہیں''؟

ذرا طبیعت ناساز ہے۔ قاضی صاحب نے کہا۔

تو چلئے ان کے کمرے میں چل کر مزاج پرسی کر لیں۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

کہیے صاحب؟ آنکھوں میں ابھی تک خمار باقی ہے۔

قاضی صاحب!!! آج کل شہر میں بڑی رونق اور بھیڑ بھاڑ ہے۔۔مرزا صاحب نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا

''ایک بار میں حیدر آباد آل انڈیا مشاعرے سے لوٹ رہا تھا۔ٹرین کا سفر تھا جب کانپور پہنچا تو ٹرین اس طرح خالی ہوگئی کہ بالکل ہوکا عالم چھا گیا۔پوچھنے پر پتہ چلا کہ کسی ناٹک کمپنی والوں کی آمد ہے۔تمام مسافر ہی ناظرین تھے، جو دوسری جگہوں سے آرہے تھے۔۔۔تو حضرت۔۔۔کل رات سنت کبیر نگر میں سرکس کے ناظرین کی تعداد دیکھ کر کانپور ہی یاد آیا۔''

رکن الدین دل ہی دل میں ''جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو۔یا رحمٰن یا رحیم کا ورد کرنے لگے۔۔کیوں کہ مرزا صاحب کی تمہید کا مدعا سمجھ چکے تھے۔

پان کا بیڑا منھ میں رکھتے ہوئے کہا.....اور ایک بار لکھنؤ میں غالب کی شخصیت پر نیشنل سمینار اٹینڈ کر کے واپس ہوا تو امین الدولہ پارک کے قریب ہوٹل نما کینٹین میں چائے پینے گیا تب لوگوں سے اس کمپنی کی تعریف سنی۔آج کل شہر میں ناظرین کی تعداد دیکھ کر تو یہی لگ رہا ہے کہ اس ٹیم کی بھی اسی طرح شہرت ہوگی۔

آپ کی کیا رائے ہے وکیل صاحب! اس ٹیم کے بارے میں؟ صرف ناٹک ہی ہوتا ہے یا کچھ ادبیت بھی ہے، کوئی ڈرامہ وغیرہ اسٹیج کیا گیا یا نہیں؟ یا محض آنکھوں کا شوق پورا کرنے جاتے ہیں۔

ہنگام پسند مرزا حیات بخش نے کسی طرح گھما پھرا کر قاضی صاحب کے گوش گزار کر ہی دیا۔

ٹھیک ہے چلتا ہوں پھر کبھی آؤں گا۔خدا حافظ

مرزا صاحب اپنا مقصد پورا کر کے چلے گئے۔

اچھا تو بستر مرگ پر آنے کی وجہ یہی ہے۔قاضی صاحب غصے پر قابو نہیں کر پا رہے تھے۔

ہم نے سمجھا تھا کہ خطرہ ٹل گیا۔

چار چھ برسوں کی کوشش سے جس عفریت سے جان چھوٹ گئی تھی وہ پھر سے ہمارے سروں پر منڈلانے لگا اور ہم سے لپٹنے کے لئے تیار ہو کر دھیرے دھیرے اپنے سر کو ابھار رہا ہے۔بیگم صاحبہ!! بیگم صاحبہ آپ اتنی لاتعلقی کا اظہار کیوں کر رہی ہیں؟؟

ارے آپ ہم سے مخاطب ہیں؟؟

جی ہاں محترمہ!! میرا روئے سخن آپ کے صاحبزادے رکن الدین صاحب کی طرف ہے انہوں نے پھر سے وہی پرانی عیاشیاں شروع کر دی ہیں۔

بیگم قاضی شمس الدین سر پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھ گئیں۔خاموشی میں ہی عافیت تھی۔

بھائی صاحب صحیح تو کہہ رہے ہیں۔باجی رکنو تو مجھے باؤلا دکھے ہے۔اور یہ سرکس والے سسرے نہ جانے کہاں کہاں سے آجاوے ہیں۔جنیدی خالہ نے لقمہ دیا جو مراد آباد سے آئی تھیں۔

''صاحبزادے کو اسی لئے انگلیڈ بھیجا تھا تا کہ وکالت کر کے لوٹیں تو سرکس اور ناٹک گھروں میں جا کر ناک کٹوائیں''؟؟

○

رندی، حسن پرستی، مستی کام یہی ہے مدت سے
پیر کبیر ہوئے تو کیا، چھوٹے ہے معمول کوئی

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

یہاں بھی واقعہ کچھ ایسا ہی تھا.....

وکیل رکن الدین کچہری سے واپس لوٹتے تو ستیہ وان سرکس کی طرف نظر کرم ضرور کرتے۔ ریتا کی معاون روجینہ قاصد کا کام کرتی رہی۔

ستیہ وان سرکس کو جب بھی منتقل ہونا پڑا ریتا ہی اس کا سبب بنی، کبھی تو ریتا کی شہرت نے مالکن کو خوف زدہ کیا کہ کہیں اس کے اعزہ واقارب میں سے کوئی نہ پہچان لے، تو کبھی ریتا کی لاپروائیوں نے ناظرین کی تعداد کو گھٹا دیا۔ تو کبھی اس کے فدائیوں نے عشق کا دم بھر کے اسے حاصل کرنے کا دعوی کیا، ان کی وجہ سے فساد ہوا اخباروں میں خبریں چھپنے لگیں۔۔''کہ ستیہ وان سرکس کی ایکٹرس کے دیوانوں نے آپس میں خون خرابہ کیا۔''

ریتا سے ملنے والوں کی تعداد دیکھ کر مالکن کو یہی آثار نظر آنے لگے تھے۔ وہ دھیرے دھیرے ریتا کو محتاط بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ بنگلور کے شہر ٹمکور سے وہ اسے لے کر کس طرح فرار ہوئی تھی وہ واقعہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ سوچ رہی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کو چے سے بھی بے آبرو ہو کر نکلنا پڑے۔

○

ستیہ وان سرکس شہر ٹمکور میں کئی مہینوں سے لگا ہوا تھا ریتا ہر روز بھاگ کر سرکس دیکھنے چلی جاتی۔ رفتہ رفتہ وہ بھی بعض کرداروں کی حرکتوں کی نقل کر کے سرکس کے مالکن کو دکھانے لگی۔ مالکن نے جب اس کی ذہانت اور دلچسپی دیکھی تو اپنی ٹیم کے دوسرے افراد سے مشورہ کر کے اسے سرکس میں داخل کرنے کی بیونت شروع کر دی۔

آسمان پر کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ریتا کسی طرح چھپ کر گھر سے نکل آئی تھی۔ مالکن نے ملازموں سے کہہ کر سارا ساز وسامان بندھوا دیا تھا۔ اور ان سب کو آگاہ کر دیا تھا کہ ریتا کو ساتھ لے کر یہاں سے کوچ کرنا ہے۔

''ریتا آج تو یہیں رک جا رات میں تجھے نئے نئے کھیلا شکھاؤں گی''۔ مالکن کو یہ پتہ تھا کہ والدین کو چھوڑ کر اتنی آسانی سے جانے کے لئے تیار نہیں ہوگی۔

ممی کو تو پتہ بھی نہیں میں کہاں ہوں؟؟ میں کہہ کر آئی تھی کھیلنے جا رہی ہوں رات کو گھر نہیں گئی تو مار پڑے گی۔ ریتا نے کہا۔

''دھیرج رکھ تیری ممی کو میں شمجھا دوں گی وہ نہیں مارے گی''

آدھی رات بیت چکی تھی۔ بدر کامل کالے بادلوں میں چھپ گیا تھا، ستاروں کی آنکھیں پُرنم تھیں۔ نمرود کے لب ریتا کی قسمت پر مسکرا رہے تھے۔

ریتا کی آنکھ کھلی ممی میں کہاں ہوں۔ مالکن ہنسنے لگی اندھیرے میں صرف اس کے دانت چمک رہے تھے بالکل ڈائن لگ رہی تھی۔

''تیری ممی کو تو' گھر چھوڑ آئی، چپ چاپ سو جا کھیلا سکھانے کرناٹک لے جا رہی ہوں''۔

روتے روتے ریتا کی ہچکی بندھ گئی، چاند کی روشنی مدھم پڑ گئی تھی گاڑی جنگلوں اور گھنے درختوں کے درمیان سے گزر رہی تھی اس نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔

اس کے غائب ہونے کے بعد اس کے والدین نے آس پاس کے قصبوں میں بہت ڈھونڈا، دہاڑیں مار مار کے روئے مگر کچھ پتہ نہیں چلا۔ جن جگہوں پر وہ کھیلنے جایا کرتی تھی وہاں کا چکر لگاتے لگاتے اس کے والد کے پیروں میں چھالے پڑ گئے۔ ٹمکور شہر کی سڑکوں پر وہ چھالے پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ ان کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ گم شدگی کی خبر اخباروں میں، ٹی وی میں دیتے۔ آخر قسمت کے فیصلے پر مطمئن ہو کر ریتا کی بہتر زندگی کی دعائیں کرتے رہے۔

دس سال کی ریتا مکمل طور پر شباب کو پہنچ گئی۔ مالکن ہی اس کی ماتا جی تھیں۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

کرنا ٹک، تمل ناڈو پنجاب، ہریانہ، ممبئ، جیسے شہروں میں ستیہ وان نے ریتا کی وجہ سے اپنا لوہا منوالیا تھا۔

مالکن نے ریتا کو اس کے ماں، باپ اور مذہب سے تو دور کر دیا تھا مگر اس کے اندر ایک عورت کا دل باقی تھا۔ اس نے ریتا کی لاپرواہیاں دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ اب اس کی ٹرین پٹری سے اترنے والی ہے، اور ناظرین کا ہجوم ایکٹنگ کے بجائے ایکٹرس کے جسم پر داد دینے لگا ہے۔

تجھے ڈھابے والا وجے کیشا لگتا ہے؟ تیری مرضی ہوتو اشی شے تیرا بیاہ کر دیتی ہوں۔

کیوں کہ مالک زوجینہ کے جسم پر کچھ واضح تبدیلیاں دیکھ کر گھبرا گئی تھی کہ کہیں ریتا بھی کوئی کارنامہ نہ کر بیٹھے۔ وہ کسی طرح سے اس کی شادی کر دینا چاہتی تھی۔

بہت اچھا لڑکا ہے تجھے خوش رکھے گا۔ میری عمر ہوگئی، میرا کوئی بھروشہ نہیں ۔۔ستیہ وان آگے کیشے چلے گا کچھ پتہ نہیں۔ اور دیکھ لڑکی جات کانچ کا گلاس ہوتا ہے جرا سا ٹھیس لگے تو ٹوٹ جاتا ہے۔

سرکس اپنی جگہ۔۔اور تیری عجت اپنی جگہ۔۔۔

دوسرے دن ریتا رکن الدین کے قدموں میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ابر باراں کی طرح اس کی آنکھیں برستی رہیں اور اس کی آواز بیٹھ گئی۔

’’ریتا میں تمہارے لئے کچھ کرنے کی کوشش کروں گا۔ مگر ناممکن ہے کہ میں کچھ مدد کر پاؤں بہتر یہی ہے کہ تمہاری ماتا جی جہاں کہہ رہی ہیں شادی کرلو‘

چاند اندھیری رات کے اس تھکے ہارے مسافر کی طرح مغربی افق کی طرف جھک گیا تھا جو رات بھر بغیر رکے سفر کرتا رہا ہو۔ ستاروں کی روشنی کمھلانے لگی تھی ۔۔مشرق

سے سورج کے طلوع ہونے کے آثار نظر آنے لگے تھے ۔۔قاضی شمس الدین کی کوٹھی کے مغربی برج کے کنارے ریتا کھڑی ہوکر گردوں کی جانب دیکھ رہی تھی۔

خود تو سات پردوں کے اندر چھپا ہوا ہے اور ظاہر بھی ہوتا ہے تو صرف اپنے عاشقوں کی نظر پر، عام دنیا نہیں دیکھ پاتی ۔ مجھے رسوائے زمانہ کر دیا، پوری کائنات میں میری نمائش ہوچکی ہے ۔ چرند پرند، جانور اور انسان سب نے مجھ سے لطف اٹھایا، لاکھ پردوں میں بھی پوشیدہ ہو جاؤں مگر نا ٹک والی ریتا ہی رہوں گی ۔ میری کیا خطا ہے؟؟ تو نے کیوں اس طرح کی بے طلب زندگی عطا کی؟؟ سنا جاتا ہے کہ تو ذروں کی بھی سنتا ہے تو آج میری کیوں نہیں سن رہا؟؟؟

بے پردہ حسن عام کو پوری دنیا لطف لے کر دیکھتی ہے مگر جب قیمت لگانے کی بات آتی ہے تو بے نقاب حسینہ کی قیمت گر جاتی ہے اور مستور حسن کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ بے حجاب حسن کو دیکھنے کے لئے لاکھوں کی بھیڑ رات میں جمع ہوتی ہے مگر آج دن کے اُجالے میں ایک بچہ بھی نہیں پہچان رہا ہے۔

○

’’ارے یہ تو سوریہ جی ہیں اس رات ماتا جی سے اجازت لے کر مجھ سے ملنے آئے تھے اور واپسی میں ہزار ہزار کے نوٹ ان کے ہاتھ پر رکھے تھے اور اس دن تو بڑے دعوے کر رہے تھے دوستی نبھانے کے۔ مگر آج نظر انداز کیوں کر گئے؟

مجھ سے نہیں میرے جسم سے نبھانے کی بات کی تھی۔ دن میں نہیں رات میں۔

ان پر یہ لباس۔۔۔ یہ لباس۔۔ شرافت کا لبادہ۔۔؟؟ مجھ پر آئے تو پہچان ختم کر دے۔

لال گاڑی میں کون آیا تھا نام یاد نہیں۔ اس نے تو ماتا جی سے کھیلا کی تعریف بھی

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

کی تھی۔انسکی نگاہیں مانو میرے وجود پر منجمد ہو کر رہ گئی تھیں۔بڑے بڑے دعوے اس نے بھی کئے تھے۔کہہ رہا تھا اس لڑکی کو میں اپنے ڈانس اینڈ ڈرامہ گروپ میں بھرتی کرلوں گا۔

بڑی بڑی گاڑیوں میں شاہانہ لباس پہن کر بیٹھے ہوئے لوگوں کی شرافت صرف دن کے اجالوں تک رہتی ہے رات کے اندھیروں میں وہ لبادہ اتر جاتا ہے۔

عام شاہراہ پر واقع قاضی شمس الدین کی کوٹھی کے سامنے کھڑی ریتا پر کسی فدائی کی نظر پریشاں نہیں ٹھہری، کوئی دل نواز قریب نہیں آیا۔آخر کار چلچلاتی دھوپ سے پریشان ہو کر اس نے برجوں والی کوٹھی کے جنوب سمت رخ کرلیا۔اتنے میں قاضی صاحب بارعب چہرے کے ساتھ باہر آئے ان کے پیچھے ملازم نے کار کا دروازہ کھول کر آفس بیگ اندر رکھا اچانک ان کی نظر ریتا پر پڑ گئی۔

''تم کون ہو؟ یہاں اس طرح دھوپ میں کیوں کھڑی ہو؟ میں مستقل دو گھنٹے سے دیوان خانے میں بیٹھا دیکھ رہا ہوں''۔

''آداب! جہاں پناہ میں آپ ہی سے ملنے کے لئے یہاں کھڑی ہوں۔حرص وہوس کے اس شہر میں آپ کی انسانیت نوازی اور ہمدردیوں کے بڑے چرچے سنے ہیں۔ اسی واسطے آپ کی کوٹھی کا رخ کیا ہے۔شاید اس کرم فرما نے اپنی کرم فرمائی کا ذریعہ آپ ہی کو بنایا ہے''۔

ڈراموں اور ناٹکوں کے ڈائیلاگ یاد کرکے ریتا کی زبان کافی حد تک بہتر ہو گئی تھی۔

ٹھیک ہے تم یہیں ڈیوڑھی میں بیٹھ کر میرا انتظار کرو میں ایک آدھ گھنٹے میں واپس لوٹوں گا اور ملازم سے کہا''میرے واپس لوٹنے تک ان کا خیال رکھو اور ہاں کوٹھی کے اندر مت لے جانا''

''ٹھیک ہے مالک جیسن آپ کے' حکم ہے ویسے کرب''انتظار کرتے کرتے شام ہو گئی۔

مغرب کی نماز پڑھ کر قاضی صاحب نے ریتا کو دیوان خانے میں بلوایا۔رکن الدین داخل ہوئے تو دیکھا ریتا بیٹھی ہوئی ہے وہ بھی پوری طرح چادر میں لپٹی ہوئی ہے سوائے چہرے کے۔دوسری کرسی ملازم نے مولوی صاحب کو دی۔

موصوف کے حواس اڑ گئے تھے ریتا بھی اتنی خوف زدہ کہ کاٹو تو خون نہیں۔

''آپ کو اس کوٹھی میں پناہ ملے گی مگر کچھ شرطیں ہیں۔آپ مولوی صاحب سے قرآن شریف پڑھنا سیکھیں گی، پنج وقتہ کی پابندی کریں گی، کسی مرد ملازم کی طرف نگاہ اٹھانا بھی گناہ ہے۔یہاں کی دوسری ملازماؤں کی طرح اصول وضابطے کی شدید پابندی کرنی ہو گی۔

منظور ہے جیسا آپ کا حکم۔

ابو جان یہ محترمہ کون تھیں؟ رکن الدین نے اپنی گھبراہٹ دور کرنے کے لئے کہا۔

یہ بنگلور سے آئی ہیں لاوارث ہیں مہینوں سے اس شہر میں نوکری کی تلاش میں پھر رہی ہیں۔ان کا اسم گرامی اریطہ ہے۔مگر مذہب اسلام اور شریعت سے واقفیت نہ دارد۔

ریتا؟ اریطہ۔مسئلہ کیا ہے؟ رکن الدین پس وپیش میں مبتلا تھے۔

ریتا کے بھاگنے کے بعد مالکن نے سنت کبیر نگر چھوڑنے میں ہی عافیت سمجھی۔ کیوں کہ ریتا کے شیدائیوں کے سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

کہتے ہیں کہ مسکرا کر ہر غم کو گلے لگاتے ہوئے دیکھ کر گردش کے حوصلے مایوس ہو جاتے ہیں، بالکل یہی ریتا کے ساتھ بھی ہو رہا تھا۔وہ دنیا کے نشیب وفراز کو سمجھ چکی تھی۔ اس کی محنت شرافت اور قابلیت کو دیکھ کر کوٹھی کا ہر فرد متاثر ہو گیا تھا۔سرکس کی طرح رکن

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

الدین کو بھی اپنی کتاب زندگی کا ورق ماضی سمجھنے لگی تھی۔ اس نے اپنے رہن سہن سے کسی پر اپنی اصلیت ظاہر نہ ہونے دی۔ یوں ہی دو سال گزر گئے۔

○

ایک دن قاضی صاحب نے بیگم صاحبہ سے کہا کہ اریطہ بہت سلجھی ہوئی لڑکی ہے بچاری لاوارث ہے۔ اب تو کافی دیندار ہوگئی ہے۔ جب آئی تھی تو کہہ رہی تھی کہ اس نے مندر میں پوجا تک کی ہے روزہ نماز تو دور کی بات۔ مگر مولوی صاحب کا کرم کہ پڑھا دیا اب تو باقاعدہ آخری پارہ حفظ بھی کر چکی ہے۔ کوئی شریف نیک لڑکا دیکھ کر شادی کر دیتے ہیں۔

صاحبزادے رکن الدین نے والد محترم کی گفتگو سن لی اور بے چین ہو اٹھے۔ بے خوف وخطر آتش عشق میں کودنے کے لیے تیار ہوگئے۔

جب قاضی صاحب کے سامنے زخم محبت کا پردہ فاش کیا تو وہ غصے سے آگ بگولہ ہوگئے۔

رکن الدین نے یہ قدم اریطہ سے مشورہ کیے بغیر اٹھایا تھا۔ والد کے عتاب کا نشانہ بننے کے بعد یہ خدشہ ہوا کہ کہیں اریطہ انکار نہ کر دے، لہذا اس کے کمرے کا رخ کیا اور پرچہ لکھ کر دروازے کے نیچے ڈال دیا۔

''مجھے معلوم ہے تم مجھ سے بہت بدگمان ہوئی ہو، لیکن تم میرا یقین کرو تمہارا احترام پہلے بھی کرتا تھا اب بھی کرتا ہوں لیکن اب میرے پاس تمہاری شرافت اور وفاداری سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اور اب تم ریتا نہیں بلکہ اریطہ ہو۔ اگر مجھ سے شادی کے لیے راضی ہو تو صبح والد صاحب کے دیوان خانے میں آجانا۔'' خدا حافظ۔

تمہارا

رکن الدین

قاضی صاحب کے غصے سے پوری کوٹھی لرز رہی تھی۔ صبح ہوتے ہی مولوی صاحب کو بلا کر دونوں کا نکاح تو کر دیا مگر ہمیشہ کے لئے اخراج کا فیصلہ بھی سنا دیا۔ اسلامی شریعت کے مطابق جائداد میں سے ان کا حق دے کر ہمیشہ کے لیے رخصت کر دیا۔

○

''پندرہ سال کے بعد بھی پتہ نہیں ابو جان کا غصہ ٹھنڈا ہوا ہوگا یا نہیں۔ میں نے ان کے سارے ارمانوں پر پانی پھیر دیا۔ میرے جانے کے بعد ان کا نہ جانے کیا حال ہوا ہوگا؟؟

بنگلور کے شمال میں ۷۰ کلومیٹر دور شہر ٹمکور میں واقع علی پور میں عمیر کھڑا ہو کر لیپ ٹاپ لئے مسلسل دیدہ ریزی کر رہا تھا۔ ممی آپ اِدھر اُدھر کیوں دیکھ رہی ہیں۔ خدا کے واسطے اسکرین پر لوکیشن دیکھ کر بتائیے کس جگہ نانی کا گھر ہے؟

اریطہ کا دل اندر ہی اندر مسوس رہا تھا وہ خود نہیں سمجھ پا رہی تھی کدھر جائے ۳۰ سال کے لمبے عرصے میں سب کچھ بدل گیا تھا۔ کوئی بھی صورت جانی پہچانی نہیں لگ رہی تھی۔

اچانک دکانیں بند ہونے لگیں اور لوگ گاڑیوں سے اتر کر کھڑے ہوگئے عمیر اور رکن الدین بھی کندھا دینے کے لیے آگے بڑھ گئے۔

ایک شخص نے افسوس کرتے ہوئے کہا، بڑا بدقسمت ہے بچارہ ایک بھی اولاد نہیں جو کندھا دے سکے صرف ایک بیٹی تھی وہ بھی بچپن میں غائب ہوگئی سب سے زیادہ تو اسی کے غم نے کھا لیا۔

''ممی چلو دیکھو کوئی تو ہوگا جو تمہیں پہچانتا ہو یا تم اسے پہچان لوگی۔ اے پربھو!! میری ماتا شری اس شہر میں آکر اتنی حواس باختہ ہوگئی ہیں کہ اگر ان کے Parents بھی

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

سامنے سے گزر جائیں تو نہیں پہچان پائیں گی۔'' عمیر نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا

''کیا کروں وقت نے سارے نقوش دھندلے کر دیئے ہیں۔'' اریطہ (ریتا) کی نظریں کندھوں پر سوار جاتے ہوئے مسافر کا تعاقب کر رہی تھیں۔

ارے !!! کنول سوئیٹ ہاؤس ؟ اریطہ اپنی گھبراہٹ کو بالائے طاق رکھ کر مسکرانے لگی۔

ہاہاہاہاہا۔۔۔گریٹ۔۔عمیر اور رکن الدین خوشی سے اچھل پڑے

کنول سویٹ ہاوس سے انھوں نے مٹھائی لی۔

اسی درمیان وہیل چیئر پر بیٹھے ہوئے ایک شخص نے پیچھے سے کانپتی ہوئی آواز میں پکارا۔۔اریطہ بیٹی!

کنول انکل۔۔۔اریطہ گلے لگ گئی۔۔

''کریم بھائی آخری سانس تک تیرا ہی نام لیتے رہے۔آج۔۔آج۔۔

کیا آج؟؟؟؟اریطہ کی سانسیں تیز ہوگئیں

''وہ سانس تھک گئی۔۔''

بھابھی کو سورگ باسی ہوئے ایک سال ہوگیا۔

شاید بھگوان نے تیرے لئے ہی اب تک مجھے زندہ رکھا تھا۔

خود کو سنبھالیے ممّی!اور ذرا جلدی کریئے فلائٹ کا ٹائم ہوگیا ہے میں انڈیا آتو گیا مگر میری ساری خواہشیں ناکام ہوتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔

بنگلور سے جہاز لکھنؤ پہنچ گیا۔عمیر نے انگڑائی لیتے ہوئے ٹھنڈی ہوا میں سانس لی اور کہا تو یہ ہے شہر لکھنؤ۔۔دائی صاحب کی تعریفوں کا پل۔

پگڑی باندھے ہوئے کھیتالا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑے ہوئے پیچھے سے

رکن الدین کا ہاتھ پکڑ لیا۔

پرنام۔رکنو بابو۔

ابا جان کا کیا حال ہے؟

نہ پوچھو بابو تُہرے جائے کے بعد بہوت بیمار رہت ہیں۔لیکن تبو تہے معاف نائی کرن ہیں۔ بلک آؤر ناراج ہوی گئے ہیں۔

وہ کیوں؟

ارے نہ پوچھو بابو لمبی دڑھیا والے مرجا صاحب آئی گے بتائے دہن کہ اریطہ مالکن ناٹک میں ناچے' والی لڑکی ہوئیں پھر ہم سے پوچھن۔ہم مجبور ہو کے کل (صحیح) سہی بتائے دہن، کہت رہے کہ'' رکن الدین کو تو معاف کر دیتا مگر اس نے میری عزت کی دھجیاں اڑا دیں اور ایک بازاری لڑکی کو میں بہو کی صورت میں کبھی قبول نہیں کر سکتا''۔

اریطہ نے پھر ایک بار قسمت کے فیصلے کو گلے لگا لیا ۔۔

رکن الدین نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔۔اریطہ غائب۔

''طویل عرصے کے بعد''ستیہ وان'' سرکس کا جلوہ کاٹھمانڈو میں''

اگلے دن کے اخبار کی شاہ سرخی تھی۔

☆☆☆

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

خونچکاں

خواب جل کر راکھ ہوگئے ،چشم تمنا بجھ گئی ، سرخ رنگ حنا پیلا پڑ گیا ، بارش کی بوندیں ذروں سے ٹکرا کر شور مچا رہی ہیں،شہر دل ویران ہوگیا۔۔

''دلہن کی مہندی بڑی رنگ لائی ہے۔ پتی دیو بڑا پیار کریں گے'' ریما کی بچی اپنا منھ بندر کھ۔

لڑکیاں تو گھر کی نعمت ہیں ۔ والدین کے گھر ہیں تو ایک فرمانبردار بیٹی اور پیار کرنے والی بہن بن کر گھر کو رونق بخشتی ہیں۔اور سسرال گئیں تو وفادار بیوی اور ذمہ دار بہو کا فرض ادا کر کے سب کا دل جیت لیتی ہیں ۔اور پھر پوری دنیا انھیں کے دم سے تو چل رہی ہے۔سوں سوں کرتے ہوئے تایا جی نے آنسو پونچھے۔

''یا خدا تایا جی کا ٹیپ ریکارڈ رکب بند ہوگا'' اس نے گھونگھٹ کو پیچھے سرکاتے ہوئے کہا۔

''بجیا ولیمے کے سارے فوٹو گراف میری آئی ۔ ڈی پہ میل کر دینا اور ہاں ایک پیارا سا پوز جیجو کے ساتھ کلک کروا کے بھیج دینا۔ میں تو کنیڈا چلی جاؤں گی تین سال بعد ہی لوٹوں گی۔

''کیوں؟ اتنا بک رہی ہے۔

ماڈرن دلہن ذرا لحاظ کر' کسی بات کا جواب دینے سے نہیں چوک رہی ہو۔ ویسے میں کیوں اتنا رکو یسٹ کر رہی ہوں تم خود اپنے ''ان کے''۔۔۔۔۔ساتھ پوز دینے کے لئے بے چین ہوگی'' اچھا تم اپنی ڈائری لے کر جا رہی ہو کہ نہیں جس میں تم نے فیوچر پلان لکھ رکھا

ہے۔

بیوقوف ڈائری کی کیا ضرورت وہ تو خواب تھا اب سب کچھ حقیت ہوگا۔

اور سنو جو چوڑی میں نے دی ہے وہی پہننا اتنی خوبصورت ہے کہ ''وہ'' اس کی سرخی میں کھو جائیں گے۔

اپنا اسپیکر کب بند کرو گی؟

اپیا تمہیں تو لگم (سونو نگم) کے دانے (گانے) پسند ہیں یہ تھی ڈی (سی ڈی) تمہا لے لئے لایا ہوں۔عفو نے آنچل کھینچتے ہوئے کہا۔

تایا جی نے دیوان فیض سنہرے مخملی غلاف میں رکھ کے پیش کیا۔تائی جی نے''، ماہ تمام' دیتے ہوئے کہا لے بیٹی میں لاہور سے خاص کر تیرے لئے لائی تھی۔

بجیا تم سسرال جا رہی ہو یا اردو سے بی ۔اے آنرز کرنے جا رہی ہو یہ لوگ شاید کنفیوز ہیں؟؟ ریما کان میں پھسپھسائی۔

سب نے دعائیں دیں ۔ مری بنی شادی کے جوڑا ما کتنی پیاری لگت ہی خدا سلامت رکھے۔اعظم گڑھ والی ممانی نے کہا۔

سب خدا حافظ کہہ کر چلے گئے۔

○

ٹرین راجستھان کے صحراؤں میں داخل ہو چکی ہے ۔سرد ہوا کے بازو تھامے ایک تنہا لڑکی گیلی ریت پر گھوم رہی ہے اس کی بیکل آنکھیں بنا کاجل،اس کے سونی کلائیاں بنا کنگن کے،اس کے ساکت قدم بنا گھنگھرو کے ہیں وہ کسی کو ڈھونڈ رہی ہے بھری کشتی کے بادبانوں کو حیرت سے دیکھتے ہوئے حسرت سے اپنا آنچل مسل رہی ہے۔

صبح ہوگئی۔۔۔ولیمہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

آداب بھابھی سا۔آپ کے قدم بڑے مبارک ثابت ہوئے آپ آئیں تو بارش ہونے لگی۔

سونی بٹیا۔۔۔کھٹے گئی چھوری؟...جا دیکھ بینڈڑی کے کمرے میں مالی نے کون کون سا پھول سجایا ہے۔گلاب کا پھول ہے کہ نے۔

ہاں۔۔۔دیکھ لیا ہے۔۔۔سب کچھ کمپلیٹ ہے۔

بھابھی آپ کو پتا ہے؟؟؟؟ گووا سے مالی کو بلوایا گیا ہے۔

''لمحہ رک گیا ہے حیرت سے آنکھیں جھپک رہی ہیں۔۔۔خوابوں کے جگنو تھک گئے۔۔۔۔لیپ ٹاپ ریما نے دیا تھا۔۔۔اس کا میل آیا ہے۔

ریما کے شکوؤں سے پورا پیج بھرا ہوا ہے۔۔۔تم نے بتایا کیوں نہیں کہ جیجو کو چوڑی کیسی لگی۔فوٹو گراف میل کیوں نہیں کیا؟ آن لائن کیوں نہیں ہوتی ؟ہنی مون کے لئے کہاں جارہی ہو؟ اپنے پتی کے پیار میں اتنا کھو گئیں کہ ہم سب کو بھلا دیا۔ ہماری ضرورت ہی محسوس نہیں ہورہی ہوگی۔۔۔۔سوئزر لینڈ تو تمہارے خوابوں کا شہر تھا۔۔۔لیکن اب تمہاری حقیقتوں کا شہر کون سا ہے؟؟؟؟

خوابوں کے شیش محل کو کب تک سینت کے رکھتی اجلے بادل کی طرح سارے خواب مغربی ہوا کے ساتھ اڑ گئے۔ وفا کی بانہوں میں کب تک چوڑیاں بجاتی ؟؟انھیں توڑ دیا۔

اسے چوڑیوں کے کھنک سے چڑ ہے۔ پازیب کی جھنکار سن کر وہ دور بھاگ جاتا ہے، گھنیری زلفوں کی لمس سے اسے نفرت ہے، نازک لبوں کے بوسے اور مخروطی انگلیوں کی گداگداہٹ سے اس کی تشنگی پوری نہیں ہوتی۔ گداز جسموں کا آغوش اسے پسند نہیں۔ ساون کی چنچل ہوا میں نسوانی آوازوں کی مدھر گیت سے اس کے پردے پھٹنے لگتے ہیں،، وہ

کانوں کو بند کر لیتا ہے۔۔۔

''بینڈڑی سمیر کا فون آوے ہے کی نہ؟ نہ جانے کون سا ضروری کام آ گیا مہمانوں کو بھی وداع نہ کیا اور امریکہ بھاگ گیا۔ایسا لگے ہے تھاری یا ہم سب کی اسے کوئی فکر ہی نہ ہے۔بس اپنے بزنس کی ہے۔۔اس کی ساس نے کہا۔

یاد ہے۔۔۔اس نے گھونگٹ اٹھایا تھا۔۔اس کی لمس سے آنچل آج تک صندل کی طرح ہر رات مہک اٹھتا ہے اور دل کے زخموں کو ہرا کر دیتا ہے، درد بے قابو ہو جاتا ہے اور آنکھوں کا کاجل پھیل جاتا ہے۔ وہ پہلی رات تھی اس نے سب کچھ میرے حوالے کر دیا تھا سوائے اپنے آپ کے۔۔۔''یہ کالے ہیرے کی انگوٹھی ہے۔۔تمہارے لئے فرانس سے منگوائی گئی ہے'' اور پھر چلا گیا۔۔تب سے رات اکیلی تنہائی کی بارش میں بھیگ رہی ہے۔ صبح ہوگئی کواڑ بے خواب رہ گئے۔

''کواڑ کے دونوں پٹ ایک دوسرے سے ملنے کے لئے ترس گئے'' جرم کس کا ہے؟؟ سزا کس کو مل رہی ہے؟؟

شاید کبھی آنے کی زحمت کرے۔۔جب برسات کے موسم میں بدن ٹوٹے تو انگڑائیاں جاگ اٹھیں۔

ہوائیں چلیں بارشوں کی نوید ساتھ لائیں زمین کے چہرے پر نکھار آ گیا۔ بھنورے پوچھتے ہیں۔

''تیرے آنگن میں کوئی گلاب کوئی چنبیلی کا پیڑ کیوں نہیں؟ برسات نے زمین کی کوکھ کو زرخیز کر دیا تیری کوکھ میں اب تک کوئی پودا کیوں نہیں اُگا؟

کس نے اس کوکھ کو بنجر بنا دیا ہے؟؟

بارش کا وہ نایاب قطرہ جو زمین کو زرخیز کرتا ہے،،، پیڑوں کو ہریالی دیتا ہے،،

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

میری کوکھ اس قطرے سے محروم ہے۔۔ابر باراں کو یہ پیغام دے دو کہ میں جل رہی ہوں ایک قطرہ مجھے عطا کر دے۔۔

تھاری منے کوئی پروانہیں۔۔تو آئے یا نہ آئے لیکن بینڈڑی کی تو ہے۔۔جو بھی رشتے دار آویں ہیں ایک ہی سوال پوچھتے کہ تھاری بینڈڑی بانجھ ہے کی''

فیس بک پر ریما نے ٹیڈی بیرس کی فوٹو زاپ لوڈ کر دیے ہے۔اور اس پر Comment لکھ دیا ہے یہ تمہارے چنے منے کے لئے...۔۔

''لیکن ہوا نے تو موسم باراں سے قحط کی سازشیں کر لی ہیں ڈوبتے سفینوں کی ناخدائی کے لئے بھیجے گئے بادبانوں نے غداری کر دی۔مچھلیاں تشنگی سے پھڑ پھڑانے لگی ہیں،گھٹائیں بارشوں کے سندیسے صرف سمندروں کو دیتی ہیں۔

آواز سننے کے لئے کان ترس گئے۔۔

مدتوں بعد فون کی گھنٹی بجی۔۔دل کے زخموں کی مہک جاگ اٹھی ،بھیگی ہوئی بوجھل پلکیں کھلیں ،نمناک آنکھیں مسکرائیں ۔لمس نصیب نہیں تو آواز اور الفاظ کا رشتہ تو نصیب ہے دکھ کو گلے لگاتے لگاتے تھک گئی سکون سے کبھی تو دوستی نصیب ہو مگر۔۔۔

''مجھے تم سے نفرت ہے صرف تم نہیں،، بلکہ ہر لڑکی اور اس کے وجود سے مجھے نفرت ہے''۔فون کٹ گیا۔

ہر رات چاند سے اس کے احوال پوچھتی ہوں۔۔کیا کوئی میرے چہرے سے ملتی جلتی میری ہم شکل اس کے ساتھ ہے؟؟؟جس کے چہرے کی اور دیکھ کر وہ مجھے یاد کرتا ہے۔

اس نے جواب دیا نہیں وہ سورج ہے اپنے آپ پر نازاں ہے خود پسند ہے اپنے

ہی جیسے زور آور کو پسند کرتا ہے اس کا محبوب ''میں''نہیں سورج ہے اپنے ہی ہم جنس پر عاشق ہے'' اور پھر چاند نے کہا ،سفر میں ہم دونوں ساتھ ہیں۔۔تم زمین پر تنہا ہو۔۔اور میں آسمان پر۔

وہ آنے والا ہے۔۔۔

کب آئے گا؟؟؟

چمکتی کار آ کر رکی۔۔شور مچا ۔۔ماموں آئے۔۔۔ماموں آئے ۔۔ارے ماموں کے ساتھ کوئی اور بھی ہے

کوئی اور۔۔کوئی اور۔۔

''پورا وجود کانپ اٹھا''

اماؤس کی رات ہے کمرہ پہلے سے بھی زیادہ تاریک ہو گیا، پیاسے رگوں کے مساموں پر تنہائی کی چادر لپیٹے لپیٹے تند ہواؤں میں وحشتوں سے باتیں کرتے کرتے تھک گئی ہوں۔.

کمرے کا دروازہ بند ہے کھڑکی کا ایک پٹ کھلا ہوا ہے وہ دونوں رفاقت اور وصل کے سارے مزے اٹھا رہے ہیں اور اپنے نئے جرم کو امر کرنے کے جواز ڈھونڈ رہے ہیں ان کی باتیں میری سماعت سے بجلی کی طرح ٹکرا رہی ہیں ۔کان بند کر لیے پھر بھی آوازیں گونج رہی ہیں تنگ آ کر لاؤڈ اسپیکر آن کر دیا۔

ضلع مجسٹریٹ نے دفعہ 144 کے تحت لاؤڈ اسپیکر بجانے پر پابندی لگا دی۔ احکام کے مطابق 11 بجے سے صبح 6 بجے تک لاؤڈ اسپیکر نہیں بجایا جا سکتا۔احکام کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں کاروائی کی جائے گی جس کے تحت چھ ماہ تک کی قید ایک ہزار روپے کا جرمانہ دینا پڑے گا۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

لاؤڈ اسپیکر بجانا جرم ہے؟؟؟

لاؤڈ اسپیکر بجانا جرم ہے؟؟ قانونی جرم۔

بستر پر سلوٹیں پڑی ہوئیں ہیں ۔اس کا مطلب وہ دونوں ایک جسم دو قالب ہوے؟؟؟

چاند کی روشنی گھنے درختوں کی اوٹ سے اتر کر بستر پر پڑ رہی ہے ۔وہ نیم خوابی کے عالم میں کہہ رہا ہے۔

''تمہارے پیار میں دیوانہ ہوگیا ہوں ۔۔''

''تمہارے واسطے میں سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں ۔اس دیس میں ہمارے پیار کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، ہم امریکہ کے اس شہر میں گھر بنائیں گے جہاں ہمارے پیار کے درمیان کوئی نہیں آئے گا۔''

تاریکیوں کے ہالے سے چاند باہر آ گیا، وہ آسمان پر تنہا نہیں، ستارے اس کے ساتھ ہیں ۔ان دونوں کے اس گھناؤنے فعل میں قانون ساتھ ہے، یہ ملعون فعل کوئی جرم نہیں۔

مگر.....مگر لاؤڈ اسپیکر بجانا جرم ہے۔

شرمندہ کرنے والی حرکتوں کو قانونی درجہ عطا کرنے کے مطالبے میں سڑکوں پر مارچ کرتے ہوئے آوارہ گردوں کے خلاف کوئی قانونی کاروائی کیوں نہیں ؟؟؟اب تو اسے قانونی درجہ بھی احترام کے ساتھ مل گیا۔

پروہت نے جنس کے پیٹ میں آگ لگا دی ہے۔

ہے مارا رام جی ۔ مارے چھورے کو کی ہوگیو ہے ۔ بینڈری کے قریب بھی نہ بھٹکتا۔ماری پوتے کی خواہش دل میں ہی رہ جاوے گی۔

ممی اگر اتنا ہی شوق ہے تو Adapt کر لیجئے۔

''بے حسی کی انتہا ہوگئی، روحوں کے اندر جنسی تلذذ کا مادہ نسل بڑھانے کے لئے رکھا گیا تھا مگر اب اس کی اہمیت صرف لطف اٹھانے تک محدود ہوگئی ۔نئی نسل نے اس نعمت کے خاص مقصد کو پس پشت ڈال دیا۔محض جسمانی بھوک کی تکمیل اس کا محور ہے نئی نسل قانون فطرت سے بغاوت کر کے من مانا قانون بنانے پر آمادہ ہے'' فیس بک پر ایک تصویر کے نیچے یہ کمنٹ لکھا ہے۔۔

اخباروں میں اس کی روک تھام کے لئے سراغ ڈھونڈنے کی التجائیں ہو رہی ہیں۔

بڑھتی ہوئی آبادی کی روک تھام کے لئے نئی نئی تکنیکیں ایجاد ہو رہی ہیں، اس نئی نسل کے لئے یہ تکنیک بھی ایک فیشن کے طور پر سامنے آئی ہے۔اور جسموں کی آگ ٹھنڈی کرنے کا بہترین طریقہ بھی ہے۔

بجیا؛؛تم نے ویوڈیو کال کیوں کیا؟ تمہاری شکل دیکھ کر امی جان بہت پریشان ہیں کہ تمہیں کس کی بددعا لگ گئی تم سوکھی جا رہی ہو سب تم کو اتنا پیار دیتے ہیں جیجو تو تمہیں امریکہ سے گڈیوں کی گڈی روپیہ دیتے ہیں کھاتی پیتی نہیں ہو کیا ؟ جلدی سے علاج کروالو۔''

سکھ کہاں ہے رہزنوں کو راہبر سمجھ رہے ہیں تو راستے پر خطر تو ہوں گے ہی۔تقدیر کا کھیل دیکھتی ہوں تشنہ لبی کہاں تک لے جاتی ہے۔دل شکن حادثوں نے کمزور کر دیا ہے۔ نئی سرکار نے پورے شہر میں روشنی کا انتظام سخت کر دیا پھر بھی تاریکی اس قدر گہری ہے کہ اپنا وجود بھی نہیں دکھائی دے رہا، تاریکی کا علاج چراغوں سے نہیں ہوگا۔

ہر گام پر چنگاری رقص کر رہی ہے جس سے پوری نسل کے جلنے کا امکان ہے حالات کے موڑ

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

پر کھڑی دیکھ رہی ہوں چنگاری کس طرف جارہی ہے نگاہیں اس کی تعاقب میں ہیں
کہیں پوری کائنات راکھ نہ ہوجاے۔۔

(''سہیل'' کلکتہ، دسمبر۲۰۱۴)

☆☆☆

طائرِبے نوا

ابھی تک صرف سنا تھا کہ ''دل سے دل کو راہ ہوتی ہے لیکن آج تو ثابت ہی ہوگیا''

کیا بات ہے چمن۔۔۔بڑی خوش نظر آرہی ہو؟؟

ہوں کیسے نہ صدف اپیا۔۔۔(جمیل احمد کی جڑواں بیٹیاں صدف اور چمن جس میں صدف چند منٹوں کی بڑی) بات ہی کچھ ایسی ہے۔

ذرا ہمیں بھی بتاو ایسی کیا خوش خبری ہے؟اور یہ فرینڈ شپ بینڈ کس نے دے دیا تمہیں؟

صبر رکھو! بتاتی ہوں۔۔تمہیں معلوم ہے کل میں رات بھر نہیں سوئی ،اچانک خدا جانے کیسے ذہن میں اس کا خیال آ گیا۔یا پھر سبھی دوستوں نے فرینڈ شپ وش کیا شاید اس لیے اس کی یاد آئی۔اس نے ترچھی نظروں سے آسمان کو گھورتے ہوئے کہا۔اور پھر میرے دل ودماغ میں کھلبلی سی مچ گئی۔میں نے سوچنا شروع کیا کہ اسے فرینڈ شپ ڈے کی مبارکباد دینی چاہیے یا نہیں۔پھر میں ماضی میں کھوگئی اور اس کا شیریں لب ولہجہ،اپنے لیے اس کی ہمدردیاں یاد آنے لگیں۔(چمن نے دونوں ہاتھوں کو ٹیبل پر رکھ کر ہتھیلیوں کا کٹورا بنا کر لمحہ بھر کو چہرہ چھپالیا)

انھیں سوچوں میں گم تھی کہ یکا یک کسی نے گویا مجھے تھپڑ مارا اور میں چونک گئی۔

اچھا ہوتا کہ واقعتاً تمہیں کوئی تھپڑ مار کر سلا دیتا اور تم نہ رات بھر جاگتیں اور نہ ہمارے صبح دیر سے اٹھنے پر ابو جان کا موڈ خراب ہوتا۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

کیا صدف اپیا تم بھی ذرا ذرا بات کو دل سے لگائے بیٹھی رہتی ہو۔

اچھا ہاں چلو آگے بتاو۔صدف نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

تھپڑ پڑنے کے بعد مجھے ساری تلخ باتیں، عذاب لمحے یاد آ گئے اور میرے کانوں میں اس کی بیوی کی آوازیں گونجنے لگیں اور چہار سمت سے سنگ وخشت کی بارشیں ہونے لگیں ''تمہیں شرم نہیں آتی ایک شادی شدہ مرد سے دوستی کرتے ہوئے۔اس قدر ذلیل ہونے کے بعد بھی تمہاری عقل ٹھکانے نہیں آئی اور تم منہ اٹھائے یوم دوستی کی مبارکباد دینے پہنچ گئیں۔لیکن اسے کیا علم میں کتنی حساس ہوں، وہ کیا جانے دوستی کیا ہوتی ہے۔اسے کیا معلوم محبت کے کتنے روپ ہوتے ہیں؟ محبت تو موقع محل کی مناسبت سے بن سنور کر دلوں کو ہموار کر کے اپنا مسکن بنا لیتی ہے۔لیکن اس کا کیا قصور آخر وہ بھی تو اسی غلیظ معاشرے کا حصہ ہے۔جہاں نفرتیں، عداوتیں پھیلانے کے لیے لوگ پوری قوت وتوانائی صرف کر ڈالتے ہیں۔

چھوڑو پرانی باتوں کو اور اصل مدعے پر آؤ۔۔اگر یاد ہو تو شاید چند لمحے پہلے تم کوئی خوشی شیئر کرنے آئی تھیں۔

لیکن چمن کہاں چپ ہونے والی تھی؟ صدف نے اس کی دکھتی رگ کو چھیڑ دیا تھا۔

یقین جانو! صدف اپیا وہ مجھے بہت یاد آیا کھٹی میٹھی کڑوی شیریں یادوں کے ساتھ۔۔اس پر تو صدف کے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔اور چمن نے ہاہاہا کرتے ہوئے درد کو اندر کھینچ لیا۔

بالکل پگلی ہے تو۔۔۔

میں آج جب سامنے والے پارک میں گئی تو اس کے ہاتھوں میں بینڈ تھا۔۔اپنی پیاری بیٹی کو بینڈ پہناتے ہوئے اس کی نظریں مجھ پر تھیں۔میں نے کن انکھیوں سے دیکھا۔۔گویا وہ۔۔۔

میں نے سوچا اب تو پکا وہ مجھے happy friendship کہے گا۔لیکن اس نے۔۔۔۔

شاید وہ بھی سوچ رہا ہوگا کہ ابھی میں اسے کھری کھوٹی نہ سنانے لگوں۔۔نظریں پھیرتے ہی میں نے مسکرا کر اس کی بیٹی کو مبارکباد دینے کی ہمت کر لی۔

اچانک بجلی چمکی اور سارا منظر نگاہوں سے غائب۔۔۔

میری پیاری چمن! حوصلے جب حد سے گزرنے لگیں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

نہیں صدف اپیا! میں اپنے دل کے علاقے سے خوب واقف ہوں۔

''چمن کے دل کے علاقے میں صرف اس کی محبت آباد تھی۔وہ بھی حسن کا پارکھ تھا عشق۔ق اس کے روم روم میں بسا تھا۔جس میں تقدس تھا، یکسوئی تھی، ایثار کا جذبہ تھا، بوالہوسی اور جسم پرستی کی دور دور تک آہٹ بھی نہ تھی، سچ تو یہ ہے کہ دل کے علاقے سے واقفیت کا دعویٰ کرنے والی چمن بالکل انجان تھی کہ محبت ایک طائر بے نوا ہے جو بڑی خاموشی سے دل کا مکین بن جاتا ہے۔جب ہی تو اس سے ترک تعلق کے بعد مہینوں تک بے خوابی کے عالم میں رہی تھی۔چمن کی زندگی ایک ایسے نہج پر چل رہی تھی جس میں نفرتیں محبتیں، کامیابیاں، ناکامیاں اپنی اپنی مناسب جگہ پر سکوت اختیار کیے ہوئے تھیں، وقتی اثر اندازی کے سوا کوئی زور آوری نہ تھی۔عشق کے نام پر خود غرضوں اور بوالہوسوں سے اس کا سابقہ پڑا تھا اس لیے وہ اس لفظ سے کبھی مرعوب نہیں ہوئی۔لیکن اس سے اس کا عجیب سا رشتہ بن گیا تھا کیوں کہ وہ تھا ہی سب سے منفرد۔وہ پھولوں کے لمس سے جسم کو معطر کرنے، ان کی خوشبو کو انگ انگ میں بسا لینے اور ان کے آتشی رنگ میں رنگ جانے پر یقین رکھتا تھا نہ کہ انھیں اپنی وقتی خواہش کے اصرار پر توڑ لینے اور لطف اندوز ہو کر مسل کر پھینک دینے پر۔

اپیا اس کے ضبط کی داد دینی چاہیے، میں نے اسے کیا کیا نہیں سنایا تھا، یہاں تک کہہ دیا تھا کہ تم کسی رشتے کے قابل نہیں، لیکن ہر لمحہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہر رشتہ بخوبی نبھا سکتا ہے۔۔کچھ ہو نہ ہو اس کے جیسا دوست کبھی نہیں مل سکتا۔۔گھر واپس ہوتے ہوئے میں نے

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

یہ بینڈ خرید کر خود ہی پہن لیا۔۔اور یہ فرض کر لیا کہ اس سے دوستی بحال ہوگئی آج کے دن کے لیے ۔۔لیکن کرشمہ تو دیکھو میں باہر نکلی تو وہ بینڈ لیے کھڑا تھا گویا میرا انتظار کر رہا ہو۔۔۔۔پھر۔۔۔۔پھر۔۔۔اس نے خود ہی پہن لیا۔

صدف کو ایسا محسوس ہوا یہ آواز کہیں دور صحرا سے آ رہی ہے اور وہ کچھ نہ بول سکی، معمول کے مطابق اسے دوائی دے کر کچن کے کاموں میں مصروف ہوگئی۔

(آل انڈیا ریڈیو، اگست ۲۰۱۵)

☆☆☆

باگ ڈور

ہر بار کی طرح انعام اللہ منزل کے گلیاروں میں اس بار سیاسی گیتوں کی صدائیں گونجنی شروع ہوگئیں تمام رشتہ دار ادھر ادھر ملکوں سے آ کر جمع ہو گئے۔

''قرعہ فال کس سیاسی جماعت کے نام نکلے گا یہ تو مجھے پتہ نہیں بہر حال یہ طے ہے کہ رائے دہندگان نے اپنے حق کا مناسب استعمال کر کے اپنی بیداری کا اعلان کر دیا ہے''۔نادیہ نے کہا۔

تم اپنی سرکار کا جتنا شکر یہ ادا کرو کم ہے یہ بیداری یوں ہی تھوڑی پیدا ہوگئی ہے بلکہ سرکار نے شہ دی ہے تب انھیں حرکت و عمل کا راستہ ملا ہے، صبیحہ نے کہا جو ابھی چند گھنٹے پہلے سرحد کے اس پار تھی۔

ارے بھئی اب کیا پوچھنا ہے ہماری تو چاندی ہی چاندی ہے اب تو اخباروں میں کالم آ رہے ہیں ''مسلم ریزرویشن ایک تاریخی فیصلہ'' یہ آج کا کالم ہے۔ ہماری سرکار نے پچھلے ہفتے اس کفر کو توڑ دیا جس نے ہم سب کو جدا کر دیا تھا اور تایا جان کو ہندوستان کی سرزمین سے دور الگ پہاڑوں میں لے جا کر پھینک دیا تھا۔

جب سے اس ریزرویشن کا فیصلہ ہوا ہے تمام ریاستیں مسلمانوں کو رجھانے کی کوششیں کر رہی ہیں اور ہر پارٹی باگ ڈور ہتھیانے کا دعوی کر رہی ہے۔

دعوی کوئی کچھ بھی کرے مگر سچائی یہی ہے کہ عوام کے تیور دیکھ کر تمام سیاسی جماعتیں خوف زدہ ہو رہی ہیں۔ یہ پہلا موقع تو ہے کہ رائے دہندگان نے اتنی کثیر تعداد میں اپنے نمائندوں کے انتخاب میں جوش و خروش کا مظاہرہ کیا ہے اس سے پہلے یا تو

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

1993ء میں کچھ اسی طرح کے جوش وولولہ کا نظارہ دیکھنے کو ملا تھا یا اب۔عوام کے اس جوش وخروش سے یوں تو تمام سیاسی جماعتیں حیران وششدہ رہ گئی ہیں۔

مگر بیٹا! حکمراں جماعت سب سے زیادہ گھبرائی ہوئی ہے اور اس لئے تو ہمارے عمران بھائی کی بھی پینٹ ڈھیلی ہوئی پڑی ہے۔ بلاشبہ انھیں معلوم ہے کہ ان کا ایک مضبوط ووٹ بینک ہے جو پولنگ کی خبر سنتے ہی ابوظہبی، کینیا، ملبورن سے الٹ کر چلا آئے گا، اس کے باوجود وہ سہمے سہمے نظر آرہے ہیں۔

اچھا نادیہ میری پارٹی کا کیا حال ہے؟

میں کیوں بتاؤں تم سوشل میڈیا کی دنیا سے الگ ہو کیا؟ اور جس لڑکی کا محبوب مسٹر سراج خان اتنا بڑا لیڈر ہے اور اس ملک میں رہتا ہے وہ یہ سوال کرے تو ذرا قابل رحم بات ہے''

تم تو ہمیشہ تیر کمان لے کر تیار رہتی ہو۔ ویسے بھی دوسرے ملک میں رہ کر میں اتنی باخبر رہتی ہوں یہی کیا کم ہے۔ میرے دوست مجھے انڈین پولیٹیکس کی دیوانی کہتے ہیں۔

دیوانی ہونا بھی چاہیے اس سرزمین میں پیدا ہوئی ہو اس کا تو حق ادا ہی کرنا پڑے گا بھلے ہی تم امریکہ لندن، پیرس کہیں بھی چلی جاؤ۔

اور تم پارٹی کا حال پوچھ رہی ہو؟؟ چ۔چ۔تمہاری پارٹی تو وہی سوشل انجینئرنگ والا فارمولہ آزمارہی ہے جو ناکام ہو گیا تھا۔ اس بار بھی کوئی کامیاب صورت نظر نہیں آرہی ہے اس لئے وہ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ ویسے بھی سارے لیڈر پارٹی کا فائدہ پہچانے کے بجائے خود اپنی ہی جڑیں کھودنے کا کام کر رہے ہیں اور تمہارا ہیرو تو واقعی پولیٹکس کا رول چھوڑ کر اداکار کا رول کرنے میدان میں اتر آیا ہے۔

اتنے کمینٹ مت کر مجھے بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ زیادہ بولے گی تو تجھ سے

میری لڑائی ہو جائے گی۔

ہو جائے تو ٹھیک ہے۔ پھر پوچھ کیوں رہی ہو؟ نادیہ نے منھ کو گول کرتے ہوئے کہا۔ خود ڈاکٹر بننے میں لگی پڑی ہو اور اب آ کے مجھ سے حالات دریافت کر رہی ہو''

اوہ چپ رہو میڈم۔۔انڈین پولیٹکس ہمیشہ میرے بیگ میں رہتی ہے لیکن پھر بھی پہلے کے مقابلے میں دلچسپی ذرا کم ہو گئی ہے۔ اچھا تم ایسے کیوں کہہ رہی ہو کہ تیرا ہیرو تیرا ہیرو.....نالائق لڑکی۔

پچھلے ہفتے جب وہ پٹنہ یونیورسٹی کے درشن کرنے گئے تھے۔ مت پوچھ کیا جلوے تھے آٹوگراف پہ آٹوگراف لئے جا رہے تھے، لڑکیاں تو دیوانی پھر رہی تھیں۔

ان کی ماتا شری اور راجکماری بہن لیڈروں کے درمیان گھری ہوئی ہیں می۔ں نے سوچا کہ اگر تم یہ پیپر دیکھتی تو ایک بار تمہارا بھی دل چاہتا کہ کاش میں بھی اسی یونیورسٹی کی اسٹوڈنٹ ہوتی۔

بڑی دیر سے زینت خاموش بیٹھی ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے صبیحہ کو منھ چڑاتے ہوئے کہا نادیہ اسے چھوڑ! اپنی اہم نیوز شروع کر۔

ہاں مسلم رائے دہندگان کی ایک بڑی تعداد میرے ساتھ ہے اور ۱۵ فیصد برہمن تمہاری اور عمران بھائی کی پارٹی کے ساتھ ہیں ۲۰ فیصد دلتوں پر بھی عمران بھائی کی پارٹی قابض ہے، باقی پینتالیس فیصد پسماندہ ذات ہی طے کریں گے کہ مسند اقتدار پر کس کو جانا چاہیے۔ پھر اس نے صبیحہ کی طرف منھ کر کے کہا اور تیرے ہیرو نے تو بچارے....دلتوں کے گھر میں جا کر کھانا کھایا اور ان کے بچوں کو پیار کیا مگر ان وفاداروں نے اپنی پارٹی نہیں چھوڑی۔

وفاداری کا ایک قصہ اور سن لو۔ میری ایک دوست سودا ادھیکاری کے ماموں بی

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

جے پی کی طرف سے کھڑے ہیں اوران کے محبوب نامدار سنتوش کے بڑے بھائی کانگریسی ہیں۔ان دونوں کی منگنی ہوگئی تو سودا کے گھر والوں سے یہ شرط رکھی گئی کہ ان کے کانگریسی بھائی کو ووٹ کریں ورنہ منگنی توڑ دی جائے گی۔لہٰذا سودا وفا کی دیوی بنی اپنے ماموں کے خلاف اور سنتوش کے بڑے بھائی کے فیور میں پورے خاندان نانیھال سے لے کرداد یھال اور بڑی بہن کے سسرالی رشتہ داروں سے ووٹ کی بھیک مانگتی پھر رہی ہیں۔

اگر میں ہوتی تو یہ رشتہ ناطہ سب چھوڑ چھاڑ کر اپنے پارٹی کا فیور کرتی۔۔زینت نے کہا۔

نہیں میری معصوم گڑیا ایسا صرف ہماری فیملی میں ہے کہ سب آزاد ہیں، ہر بچہ اپنی الگ پارٹی بنا کر اس کے جھنڈے اور بینرز لے کر گھوم سکتا ہے لیکن سب کے یہاں اس طرح کی آزادی نہیں ہے اور ویسے بھی ان کے یہاں ایک بار رشتہ ٹوٹ جائے تو بہت بدشگون مانا جاتا ہے۔

یہ سب چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ شالینی کا کیا حال ہے وہ کس پارٹی کے ساتھ ہے؟ صبیحہ نے پوچھا۔

اس کا مت پوچھو وہ بنا پیندے کا گھڑا ہے۔اس کا بنا لائسنسی میاں جس کی سائیڈ پر رہے گا وہ اسی کے ساتھ رہے گی ویسے وہ کہہ رہی تھی کہ اگر کوئی متبادل نہیں ملا تو تمہاری پارٹی کے ساتھ ہو جائے گی۔ مجھے تو ترس آتا ہے تمہارے پارٹی کے یوراج کی بڑھی ہوئی شیونگ دیکھ کر،اس قدر بڑھ گئی ہے کہ پورا ملا لگتا ہے۔

شالینی آپی تو مجھے کبھی سمجھ میں نہیں آئیں۔

بیل بجی۔شالینی ایک ہاتھ میں پرس اور دوسرے ہاتھ سے سنہرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے داخل ہوئی۔

لو نام لیا شیطان حاضر، نادیہ نے کہا،''ارے نہیں اسکی عمر بڑی لمبی ہے'' صبیحہ نے طرف داری کی۔

ہاں بہن کہاں بزی تھیں اتنی دیر ہوگئی۔صبیحہ کو آئے ہوئے کافی دیر ہوگئی تمہارا کچھ اتا پتہ ہی نہیں۔

میں ذرا ائیر پورٹ گئی تھی۔ بھائی کے ساتھ ان کے کچھ دوست اور رشتہ داروں کو ابو جان نے بلایا ہے۔وہ یہیں کے ہیں مگر اب فیملی کے ساتھ دبئی میں رہتے ہیں۔ابو جان نے پارٹی کو مضبوط بنانے کے لئے ووٹر لسٹ میں ان سب کا نام بھی ڈال دیا ہے۔

وہ کس پارٹی میں ہیں؟؟ جیسے میں کنفیوژ ہوں کس کا فیور کروں اسی طرح وہ لوگ بھی بے خبر ہیں کہ کیا کریں آنے کے بعد میں انھیں اپنی پارٹی کے ساتھ کرلوں گی.....

رہی میری پارٹی تو.....ایک عرصہ ہوگیا اپنا اقتدار کھو چکی ہے اس لئے سوچ رہی ہوں کہ نادیہ کے ساتھ ہو جاؤں کیوں کہ اس وقت میری ہی پارٹی کا وکٹ سب سے کمزور ہے۔

نہیں یار شالینی! مشاہدین اور تجزیہ کاروں کے مطابق آپ کی پارٹی بڑی عزت ووقار سے صرف چوتھی پوزیشن پر رہ سکتی ہے پھر کیوں دکھی ہوا گر میرے ساتھ تمہارا تال میل نہ بیٹھے تو چھوٹے کھلاڑیوں کو آزما سکتی ہو مثلاً صبیحہ وغیرہ۔

نادیہ نے ہوا میں ہاتھ لہراتے ہوئے اشارہ کیا۔

صبیحہ نے گھورتے ہوئے کہا''نادیہ میں نے سنا ہے تمہاری طرح تمہارے کالج کے اسٹوڈنٹ بھی بہت تھرک رہے ہیں کہ اس بار ہم نوجوان اپنے حق کا استعمال کریں گے۔''

بس ڈیئر کچھ ایسی ہی صورتحال ہے وہ لوگ فرقہ، زبان اور ذات جیسے فالتو

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

جھنجھٹوں سے دور ہیں، انھیں نہ تو مذہبی مقامات کے جھگڑوں میں دلچسپی ہے اور نہ ہی ذات پات کی سیاست سے۔

اتنی تمہید و پس منظر بیان کرنے کا مقصد کیا ہے نادیہ؟

یہی کہ وہ سب زندگی کی رفتار کم نہیں کرنا چاہتے وہ لوگ ایسے جماعت کی نمائندگی کرتے ہیں جو زیادہ وقت سوشل میڈیا پر گزارتے ہیں اور نئی نئی معلومات کے لئے گوگل کا سہارا لیتے ہیں۔ زندگی کے مختلف مسئلوں، مہنگائی، بے روزگاری اور کرپشن پر تاثرات مرتب کرتے ہیں اور ان کے تاثرات سے لگ رہا ہے کہ وہ کسی پارٹی کے فیور میں نہیں بلکہ اسی کو ووٹ کریں گے جس کی امیج صاف ستھری ہوگی۔ مثلاً ایک دن میری کلاس میٹ وشنو تیواری نے فیس بک پہ اپ ڈیٹ کیا تھا کہ:

''ہمارے سیاستدانوں کا خون ٹھنڈا ہو گیا ہے مگر ہمارے خون میں تو گرمی ہے اپنے ملک پر غلط نگاہ ڈالنے والے کا ہم منھ توڑ جواب دیں گے اور ایسے نوجوان لیڈروں کو نکال کر لائیں گے جن کے خون میں ابال آتا ہو۔''

بیٹا یہ اکیسویں صدی کی نسل ہے سیاستدانوں کی کھٹیا کھڑی کر دے گی۔۔ تب تک اس کا فون بجنے لگا۔

ہیلو بیٹا۔۔ تیرا اڑن کھٹولہ کس دن یہاں اترے گا۔ پولنگ والے دن ہی یہاں آ کے پہنچے گی کیا؟

ارے نادیہ کی بچی تو نے نیوز نہیں دیکھی؟ کتنی پرابلم کھڑی ہو رہی ہیں بارڈر سے 50 کلومیٹر تک پولیس کی کڑی نظر ہے مسلح دستہ سرحدی سشستر بل (ایس، ایس، بی) کو سرحد پر دراندازی روکنے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ چیکنگ کے لئے الیکشن کمیشن کی طرف سے ریاستی پولیس مشنریوں کو لگا دیا گیا ہے۔

آخر کیا کیا جائے۔۔۔ تیرے یہاں پولیٹیشن اتنا گر گئے ہیں کہ رائے دہندگان کو نقدی، شراب اور دیگر اشیاء کی شکل میں رشوت دے کر لبھانے کی کوششیں کر رہے ہیں اسی کرپشن کو روکنے کے لئے بڑی سخت نگرانی ہے۔ مزید یہ کہ یہ بھی خطرہ ہے کہ کہیں عورتوں کو سیلنگ پارٹنر اور کیریر ایجنٹ کے طور پر نہ استعمال کیا جائے۔ اس کے لئے لیڈیز پولیس کی ایک بٹالین تعینات کی گئی ہے۔

اور ہاں! تم کوشش کر کے کسی طرح گھر والوں کے ساتھ شادی وغیرہ کا بہانہ کر کے بارڈر پار کر لو اور اتنا جان لو کہ الیکشن کے 48 گھنٹہ پہلے ہی بارڈر بند کر دیا جائے گا۔

ایسا کیوں؟

کیا تمہیں نہیں معلوم کہ بارڈر سیز اسی لئے ہوتا ہے کہ جرائم پیشہ عناصر کی آمد ورفت پر قابو کیا جا سکے اور اس پر قابو کرنے کے لئے مقامی پولیس اور دوسری حفاظتی ایجنسیوں کے ساتھ ساتھ اطلاعات تک کا تبادلہ ہو جاتا ہے۔

اور عمران بھائی وغیرہ کیسے ہیں ان کا سیاسی ذہن کیا کیا خرافات کر رہا ہے؟

بس خیریت سے ہیں۔ سب اپنی اپنی پارٹی کی عزت بچانے میں لگے ہوئے ہیں۔ چونکہ ان کی کشتی بھنور میں ہے اس لئے اخلاقی طور پر کچھ کرنے کی جرأت نہیں کر پا رہے ہیں تم جلدی سے آ جاؤ پھر ساری صورتحال کا اندازہ ہو جائے گا۔ اور یہ بتاؤ تم اپنی پارٹی بدلو گی تو نہیں؟ اور تمہیں بتا دیتی ہوں کہ ہمارے رشتہ داروں میں 70 فیصد میری پارٹی میں ہے کیوں کہ بڈھے نے اس بار مسلمانوں سے وعدوں کی جھڑی لگا دی ہے۔

پارٹی تو نہیں بدلوں گی۔ مگر تمہاری طرح عمران بھائی کی پارٹی نے بھی اس سے پہلے بہت وعدے کئے تھے اور عمران بھائی خوب ہانک رہے تھے ان کی ملکہ معظّمہ ساری پرابلم حل کرا دیں گی مگر سب بکواس!.....دس سال ہو گئے میرا کام کرا کے نہیں دیا۔ جب بھی

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

اس مسئلہ پر بات کی تو معاملہ اس بات پر آ کر اٹک گیا کہ آپ کے فادر کی پراپرٹی ہونی ضروری ہے۔کتنی بار میں جاب کے لئے اپلائی کر چکی ہوں مگر اسی وجہ سے مسئلہ پھنس جاتا ہے۔ابا میاں نہ جانے کس خوشی فہمی میں انڈیا چھوڑ کر یہاں رہنے لگے تھے پھر مزید عقل مندی یہ کی کہ مجھے انڈین بنا کے پڑھنے کے لئے بھیج دیا۔

اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے چیئرمین والے الیکشن میں ووٹر لسٹ میں اپنی بہن کا نام ڈلوایا کہ نہیں ورنہ تمہاری طرح اس کا بھی مسئلہ پھنس جائے گا۔

ارے سب میں ڈلوایا ہے وہ ووٹ بھی کر چکی ہے سنا تھا اس بار وہاں کے شہری ہونے کا سرٹیفکٹ مل جائے گا مگر خدا جانے کیا ہوتا ہے۔ضلع مجسٹریٹ سے بھی بات ہوئی تھی۔

فون وارننگ دے رہا ہے۔خدا حافظ! نادیہ نے کہا۔

فون کٹتے ہی وہ دونوں آ کر نادیہ سے لپٹ گئیں اور پوچھنے لگیں کیا کیا باتیں ہوئیں اس کا مزاج کس طرف مائل ہے۔

صحیح تو کہہ رہی ہے یار۔۱۰ سال سے بچاری لگی ہوئی ہے کہ یہاں سے citizenship مل جائے اور اسی امید پر اتنی بڑی حمایتی بنی ہوئی ہے مگر خدا جانے کیا مسئلہ ہے کہ اب تک اسے سرٹیفکٹ نہیں ملا اور ہر سال تقریباً اس کی 40 ہزار اسکالرشپ خیرات ہو جاتی ہے،صرف اسی لئے وہ جاب بھی نہیں کر پا رہی ہے۔یہ سچ ہے کہ سیاسی پارٹیاں صرف عوام کو رجھانے کے لئے وعدے کرتی ہیں اور لمبے لمبے لکچرز دیتی ہیں۔ذرا اس نوٹ پر ایک نظر ڈالو! جس میں انتخابات کے ضابطہ اخلاق کی پابندی کرنے کے ہدایات ہیں۔

ووٹ کے لیے کسی ذات یا فرقہ کے جذبات کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

مساجد،گرجا گھروں،مندروں اور عبادت کے دوسرے مقامات کو الیکشن کی تشہیر کے لئے اسٹیج کے طور پر نہ استعمال کیا جائے اور امیدواروں کو جھنڈا لگانے یا پوسٹر چپکانے،نعرے لگانے کے لئے کسی کی عمارت کو بلا اجازت گندا نہ کریں،کسی بھی سرکاری عمارت یا فون کے کھمبوں کو استعمال نہیں کر سکتے اور یہ کوشش ہونی چاہیے کہ نفرت کا ماحول پیدا نہ ہو،ہر ایک شخص کی پرامن داخلی زندگی کے حق کا احترام کیا جائے۔

تب تک شالینی بول پڑی۔2008 میں بھی سرکار نے وعدہ کیا تھا کہ عربی فارسی یونیورسٹی قائم کرے گی مگر اب تک اس کی بنیاد نہیں پڑی۔

سرکار کی دلچسپی تو پارکوں اور اسمارک بنوانے پر ہے وہ اس پر کروڑوں روپیہ خرچ کر رہی ہے۔صبیحہ نے ابھی بات ختم نہیں کی تھی کہ عمران بھائی گنگناتے ہوئے داخل ہوئے اور فرمایا۔بھئی یہاں تو سیاست کا بازار گرم دکھائی دے رہا ہے کیا بحثیں چھڑی ہوئی ہیں۔

یہی کہ آپ کی ملکۂ معظّمہ ریاست کے عوام کو نظر انداز کر کے اپنا ڈریم پروجیکٹ پورا کرنے پر کروڑوں روپیہ خرچ کر رہی ہیں۔سب نے ایک ساتھ کہا۔

پہلے نمبر پر صبیحہ بیگم آپ تو خاموش ہی رہیں۔آپ کی پارٹی کا اعمال نامہ ہاتھ میں آ ہی جائے گا۔اور اس دن وہ حشر کے میدان میں اپنی زمین کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹکے گی۔

آیا بسنت جاڑا اڑنت بی بی صبیحہ۔

شالینی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا ارے اب تو بہار کی آمد آمد ہے پھول کھل رہے ہیں سیاسی رنگ بکھر رہے ہیں۔

عمران بھائی نے پوچھا اور ہماری پاکستانی بہن نجمہ خان ابھی تشریف نہیں لائیں؟ کہہ کر گئیں تھیں خالہ جان سے مل کر آ رہی ہوں ان کے بنا سیاسی محفل سونی سونی لگ

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

رہی ہے نادیہ کی خاموشی صاف بتا رہی ہے کہ وہ اس کی کمی محسوس کر رہی ہیں۔

ایک زمانہ تھا جب پاکستان میں بھی انتخابات کے تئیں بہت دلچسپی ہوتی تھی اندازے اور تجزیئے چھپتے تھے۔ نجمہ کی گرم جوشی ایسے حالات میں کیا ہوتی مگر افسوس کہ وہ وہاں نہیں تھی۔

نادیہ نے فون کی اسکرین سے نظر اٹھا کر کہا عمران بھائی! اگر نجمہ کا نام لا کر اس کی یاد میں تڑپنا ہی تھا تو پھر کہیں سہانے سلونے مقام پر چلتے۔ ایسی روکھی سوکھی محفل میں اس جذباتی لڑکی کا ذکر کیوں کر رہے ہیں۔

عمران نے دم دبا کر بھاگنے میں عافیت سمجھی۔ ورنہ اس کی کھینچائی بری طرح ہونے والی تھی۔ مگر صبیحہ نے روک لیا۔ عمران بھائی ایک دل خراش واقعہ سنتے جاؤ اپنی پارٹی کی کرم نوازیوں پر۔

میری ایک غریب دوست جو بچپن میں میرے ساتھ پڑھتی تھی اس کی غربت دیکھ کر امی جان بڑی شفقت سے پیش آتی تھیں، اب اس کی شادی ہوگئی، دو بچے بھی ہیں۔ جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے کہ محترمہ ملکہ عالیہ نے پچھلے انتخابات میں مسلم رائے دہندگان سے بھی کس قدر وعدے کئے تھے لیکن الیکشن ہونے کے بعد ان وعدوں کی کوئی اہمیت نہیں رہی بلکہ اس کے بعد معرض وجود میں آنے والی سیاسی صف بندی کی ہوگئی۔ ہاں تو آپ کی پارٹی نے اس پر اتنا رحم کیا کہ پھونس کا گھر بنوا دیا لیکن دو روز بعد خبر ملی کہ اس کا گھر کسی نے جلا دیا یعنی کہ سیاسی سرگرمیوں کی چنگاری نے تنکوں سے بنے آشیانے کو جلا دیا۔ اس نے ہاتھ سر پر رکھ کر فکر کا مظاہرہ کیا۔

اگر کہانی ختم ہوگئی ہو تو میں بولوں؟ محترمہ صبیحہ آپ اس بھرشٹا چاروں کے ملک میں کیوں آئی ہیں۔

ایکسکیوزمی! یہ میرا ملک تھا اب بھی میں اسی کی ہوں اور آپ ذرا خاموش رہیں تو بہتر ہے۔ اوہو ہو بچاری۔۔۔ قہقہوں میں اس کی آواز غائب ہوگئی۔

اچھا وجہ کیا تھی اس غریب کی پناہ گاہ نذر آتش کرنے کی؟

وجہ یہ تھی کہ رات میں صمد صاحب کی پارٹی والے آئے دس ہزار روپے دینے لگے اور کہا کہ اپنی پارٹی کو چھوڑ کر صمد صاحب کو ووٹ کرو اور اپنے گھر والوں رشتہ داروں کو بھی راضی کرو۔ اس نے انکار کر دیا۔

دوسرے دن وہ اپنے بچے کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئی۔ واپسی میں رات ہوگئی کچھ نوجوان اسے چھیڑنے لگے ''برسات کا موسم ہے گدرایا ہوا جوبن ہے۔ آجا میری بانہوں میں۔ آجا آجا میری پارٹی میں۔'' جیسی بے ہودہ جملے بازیاں کرنے لگے۔

اور تیسرے دن غریب خانہ نذر آتش کر دیا گیا۔

نیچے بڑا شور شرابہ ہو رہا ہے۔ نادیہ ذرا دیکھنا۔ اس نے بالکونی میں جھانک کر دیکھا۔ ارے بھئی عمران بھائی کی ٹیم آئی ہے اور ہم سب کو بلایا جا رہا ہے۔

یہ میری عزیز بہن نادیہ ہیں پولیٹکل سائنس سے ایم۔ اے کر چکی ہیں۔ دوسری صاحبہ محترمہ صبیحہ پہاڑن ہیں جو میری کلاس میٹ ہیں۔ تیسری شالینی خالہ زاد بہن ہیں جو ڈپلومہ ان ماس کمیونیکیشن کر رہی ہیں اور چوتھی راجکماری جو خاموش فضاؤں کو گھور رہی ہے وہ زینت ہیں جو لوگوں کے ذہن میں سیاسی خرافات پیدا کرتی ہیں مگر یہ سب اپنی اپنی مرضی کی مالک ہیں الگ الگ پارٹیوں کی حمایتی ہیں۔ میرے ایک بھائی ہیں جو بہت خاموش مزاج ہیں وہ پیس پارٹی کے حمایتی ہیں۔ اس لئے آپ ان ناکارہ لوگوں سے کوئی امید مت رکھئے۔ عمران نے سب کا تعارف کرایا۔

ان کے جانے کے بعد زینت نے پوچھا یہ لوگ کون تھے۔ عمران نے کہا میری

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

پارٹی کے لوگ ہیں جو صرف جائزہ لینے مرادآباد سے آئے تھے ووٹ مانگنے نہیں۔ چڑیلوں!!

الیکشن ہو چکا، نتائج بھی آ چکے، جیتنے اور جتانے والے خوش ہو لئے، مبارکبادوں کا دور چلا، ختم ہوا اور حکومت بھی بن گئی۔ اخباروں میں صفحات کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ داد بھی مل رہی ہے۔

''باشعور رائے دہندگان کا مدبرانہ فیصلہ''

مبارکباد کے مستحق ہیں رائے دہندگان جنہوں نے اپنے ووٹوں کے طاقت کو محسوس کیا اور اس کا بہتر استعمال کیا۔ نہ صرف یہ کہ مطلق العنان حکومت کو اکھاڑ پھینکا بلکہ اس کی اوقات بھی بتادی۔ پولنگ نہایت سوچ سمجھ کر منظّم انداز میں ہوئی، سیکولر بالخصوص مسلم رائے دہندگان نے اپنی ذمہ داری نہایت خوبی کے ساتھ انجام دی لیکن اب دیکھنا ہے کہ نئی حکومت اور نومنتخب نمائندے عوام کی امید اور معیار پر کس حد تک پورے اترتے ہیں۔

نیوز پڑھنے کے بعد نادیہ نے یک لخت کہا۔ کیوں نہیں پورے اتریں گے جس طرح عوام نے میری پارٹی کو جتایا ہے اسی طرح امید کی جاتی ہے کہ نئی سرکار عوام کے مسائل کو متحد ہو کر حل کرے گی۔

تب تو صبیحہ پہاڑن جو انڈین ہونے کی سند برسوں پہلے کھو چکی تھی اب دعوی کے ساتھ لے سکتی ہے۔ عمران نے گرہ لگائی۔

ایک تو اس وقت عمران بھائی کو اپنی پارٹی کی ہار میں لگے ہوئے زخم پر مرہم لگانے کے لئے کوئی نہیں مل رہا تھا اوپر سے نادیہ نے یہ بات کہہ کر نمک پاشی کر دی۔

نادیہ! تم لوگوں کے مستقبل کی پیشن گوئی کر رہی ہو۔ شالینی نے ٹکڑا جوڑا۔ بالکل، کیوں نہیں اب سب کو ایک ساتھ جاب ملے گی اور مس صبیحہ اور نادیہ ایک ساتھ

انڈیا آئیں گی اور اپنے ذاتی مکان میں رہیں گی۔

صبیحہ، نادیہ، اور دوسرے رشتہ داروں کو لوٹے ہوئے عرصہ گزر گیا۔ ایک امید پر جی رہے ہیں کہ انھیں Citizen Ship مل جائے گی۔ صبیحہ کا فون آیا ہے کہ اس کی جس دوست کا گھر نذر آتش کر دیا گیا تھا وہ بچاری در در بھٹک رہی رہنے کے لئے کوئی سائبان نہیں۔ بچاری کے بچے کی طبیعت خراب ہے۔ سرکاری اسپتال میں علاج کروانے پر فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔ پرائیوٹ ڈاکٹر ڈھیروں روپیے مانگ رہے ہیں۔

مشورہ دیا کہ گورکھپور لے کر چلی جاؤ۔ نوزائیدہ سے لے کر 10 سال کے بچوں تک کے ایک بہت اچھے اسپشلسٹ ہیں صرف چار ہزار لگیں گے۔

کہنے لگی ''ہائے رے ہمار بہنی اتنا روپیہ کہاں سے لائی کم ہوت تو مانگ چانگ لیتن''۔

اس کا بیٹا پیدا ہوا تھا تب بھی کوئی طاقت والی چیز اسے نہیں ملی تھی اسی لئے کمزور ہو گئی ہے محنت مزدوری بھی نہیں کر سکتی۔

نئی سرکار سے اسے بڑی امیدیں تھیں مگر۔۔۔

تب نادیہ نے ہار مان لی اور کہا۔

''طریق کوہ کن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی''۔

☆☆☆

(کسوٹی جدید، 2014)

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

انجانی تشنگی

میں جیسے ہی زمرد ولّا میں داخل ہوئی نومی کھڑا ہو گیا اور اطلاع دینے والے انداز میں چلاتے ہوئے اندر چلا گیا۔ اس کی خطرناک صورت دیکھ کر میرے قدم وہیں رک گئے ایک لمحے کے بعد وہ خاموشی سے واپس آیا اور اجازت دینے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے وہیں بیٹھ گیا۔

زمرد بیگم سے ملتے ہی سب سے پہلے میں نے یہی پوچھنا ضروری سمجھا کہ آپ اسے کہاں سے پکڑ لائی ہیں''

ارے پکڑ کر نہیں لائی ہوں یہ برسوں سے حویلی میں رہتا تھا آخر حویلی تو اجڑ ہی گئی اور نئے طرز کے مکانوں میں رہنے کا جنون ہمیں یہاں لے آیا حویلی کو چھوڑنے کے ساتھ رسم ورواج آداب وسلام بھی وہیں چھوڑ آئے مگر نومی سے ہمیں بڑی انسیت ہوگئی تھی اس لئے اسے اپنے ساتھ لے آئے یہ وفادار ہونے کے ساتھ ساتھ فرمانبردار بھی ہے بلا اجازت کبھی باہر قدم نہیں رکھتا اور اگر کبھی کبھار چلا بھی جاتا ہے تو مطمئن رہتی ہوں کہ ابھی تو واپس آ ہی جائے گا۔

اسی درمیان میں نے دیکھا کہ نومی بیگم صاحب کی قدموں میں بیٹھا دستک دینے والے انداز میں اپنے آگے کے دونوں اعضاء کو استعمال کر رہا ہے میں چونک گئی۔ انھوں نے کہا چونکیے مت یہ مجھ سے ناشتہ لانے کی یاد دہانی کرا رہا ہے۔ پھر اس کا کان سہلاتے ہوئے کہا!!''ارے نومی یہ کوئی مہمان نہیں، تم پریشان مت ہو، تانیہ لے آئے گی۔ وہ نومی جو کچھ لمحے پہلے مجھے نہایت خوفناک معلوم ہو رہا تھا اب بہت معصوم نظر آنے لگا۔ میں

بے ساختہ بول پڑی''شکر ہے آپ نے حویلی کی ایک نشانی تو بچالی''

○

آفس سے لوٹنے کے بعد کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے چھوٹو سے پانی لانے کے لئے کہا پانی کا گلاس پکڑتے ہوئے اس کا دل چاہا کہ چھوٹو کا ہاتھ پکڑ کر مروڑ دے یا پھر گلاس کی کرچیوں سے ہاتھ کو زخمی کر لے۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد آرام کرسی پر ٹیک لگائے دیوار پر لگی ہوئی تصویروں کو بغور دیکھنے لگا ایک تصویر ایسی تھی جسے دیکھ کر کبھی وہ آنکھیں بند کرتا اور کبھی کھول دیتا ایسا کرتے ہوئے اس کے دھیان کی جو ڈوری بندھی ہوئی تھی کھلنے لگی اور اس کے پیچھے ایک ایسی صورت دکھائی دی جس کے کچھ نقوش سے وہ مانوس تھا اسے دیکھتے دیکھتے اس کی رگیں پھڑ پھڑانے لگیں۔۔۔۔۔ پھر اس کی نظر کیلنڈر پہ پڑی تو تھوڑی سی حالت بہتر ہوئی اور وہ فوراً تیار ہو کر زمرد ولّا پہنچا۔

سرمئی رنگ کے چست لباس میں دوپٹہ گردن میں چپکائے ہوئے قد آور آئینے میں اپنے وجود کو سراہتے ہوئے بیوٹی بون کے ظاہر ہونے پہ وہ خوش ہو رہی تھی''کوئی بات نہیں تانیہ تھوڑی سی ڈائٹنگ کرنی پڑی لیکن اب تو پوری طرح سیکسی گرل کہنے کے لائق ہوگئی''وہ اپنے آپ سے کہہ رہی تھی''کہ تبھی فون کی گھنٹی بجی!

سمیر کا فون؟ کیا؟۔۔تم میرے گھر کے سامنے کھڑے ہو؟

''جی ہاں! تم بالکونی میں تو آؤ اور نیچے دیکھو''

''بھول بھٹک کے تم یہاں کیسے آ گئے؟ چلو اندر اور ممی سے مل لو''

بعد میں ملوں گا ابھی ٹائم نہیں ہے بس تم جلدی سے تیار ہو کر میرے ساتھ چلو۔

کہاں؟

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

اس سال کی آخری شام خوشگوار بنانے اور تنہائی میں گزرے ہوئے بے چین لمحوں کی ساری تشنگی مٹانے!

''ایں؟'' ہوسکتا ہے ممی اجازت نہ دیں۔لیکن دیکھتی ہوں بہلا پھسلا کے کہہ دوں گی کہ فرینڈز کی پارٹی میں جارہی ہوں ۔مڑتے ہوئے سمیر کی نظر اس کے Back Less کپڑے پر پڑیں جوصرف دوپٹیوں کے سہارے جسم پر ٹکا ہوا تھا۔

''اس کی رگیں پھڑ پھڑانے لگیں!

او کے تم اپنا پلان کروتب تک میں کیفے میں تمہارا انتظار کررہا ہوں''۔

اس کے جانے کے بعد وہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بیوٹی بون کو ذہن سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگا جو کانٹے کی مانند اٹکی ہوئی تھی۔اور ماضی قریب کے کچھ دھندلے نقوش گڈمڈ ہونے لگے اس کا دل چاہا کہ نسیم اپارٹمنٹ واپس چلا جائے اور.....

گہرے آسمانی رنگ کا فراک زیب تن کر کے کٹے ہوئے بالوں کو سمیٹنے کے لئے چار پانچ پن ٹھونک کر انھیں Bird's Nest کی طرح بنا کر تیار ہوگئی چھوٹی بہن سے کہا میرا اے۔ٹی۔ایم کارڈ نئے پرس میں ڈال دو'' ممی کو گلے لگاتے ہوئے کہا: انجوائے نیوایر ممی''۔۔۔میں جلد ہی لوٹوں گی اور ہاں میں فارم ہاؤس کی چابی لے لیتی ہوں اگر دیر ہوگئی تو دوستوں کو لے کر وہیں چلی جاؤں گی فکر مت کرنا'' اور میز پر رکھا ہوا Goggles اٹھا کر چلتی بنی،نومی اس کے پیچھے لپکا مگر روک نہ سکا۔

سمیر کی بانہوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے ہال میں داخل ہوئی تو یہاں کا منظر دیکھ کر مسحور ہوگئی ایسا لگ رہا تھا کہ پورے سال کے خوبصورت لمحوں کو چرا کر اس شام کو رنگین بنانے کی کوشش کی گئی ہے،گلدانوں میں مختلف رنگوں اور خوشبوؤں والے پھول سجے ہوئے

تھے یہاں کی ہر چیز اسے اپنی پسند میں رنگی ہوئی لگ رہی تھی۔ان کے پہنچنے پر وہاں موجود دوسرے دوستوں نے تالیاں بجاتے ہوئے ان کا استقبال کیا تانیہ کو محسوس ہوا کہ وہ خوابوں کی دنیا میں آ گئی ہے۔

''تعلقات تو برسوں سے تھے مگر محترم کی اتنی نوازشوں کی احسان مند تو کبھی نہیں ہوئی۔۔خیر کوئی بات نہیں۔۔دیر آید درست آید''

اتفاق سے اس پارٹی میں مجھے بھی مدعو کیا گیا تھا ایک سفید غلاف والی لال پٹیوں سے سجی ہوئی کرسی پہ بیٹھ کر پارٹی کا مزا لینے لگی اور دوسری مصروفیات میں حصہ لینے سے ذرا دور رہی۔مگر میں نے یہ نتیجہ ضرور نکالا کہ اس پارٹی میں نسائی دلکشی ایک اچھوتے رنگ میں دکھائی دے رہی ہے لیکن کچھ لوگوں کی حِس مفقود ہے اور اس پارٹی کے ذائقے سے متلذز نہیں ہورہے ہیں۔

تھوڑی دیر میں کچھ نوجوان اپنے دوستوں کے ساتھ پھولوں اور مصنوعی قوس وقزح سے لطف اندوز ہوکر آئے اور اپنی اپنی جوڑی بنا کر کرسیوں پر بیٹھ گئے،سمیر اور تانیہ تو بالکل میرے پہلو میں بیٹھے سب نے اپنی اپنی پسند کے مشروبات کی فرمائش کی اور ساتھ ساتھ پسندیدہ میوزک بھی play کروائی اور پھر سب کے اعضاء تھرکنے لگے۔

چلو سمیر دیر ہی سہی تمہیں خیال تو آیا کہ زندگی میں ایک فرض دوستوں اور رشتہ داروں سے ملنا بھی ہے تم نے تو بالکل رہبانیت اختیار کر لی تھی اور بتاؤ اس لمبے عرصے میں تمہاری کیا مشغولیات رہیں۔

تم بتاؤ میری کیا؟۔۔۔میں تو بس یوں ہی۔۔۔

تم بتاؤ۔۔۔تمہارے پاس تو ٹورزم subject تھا نا؟؟

اوہ ۔۔۔پووووچھومت ۔۔۔۔ہم نے تو بہت سی جگہوں کی سیر کی مگر

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

Hohenzollern Castle ہوہنزولرن کیسل کی سیر تو اب تک یاہے یار بتا نہیں سکتی ہم نے کتنے مزے کیے۔۔تانیہ نے زور دے دے کر کہا۔۔

''یہ کہاں ہے؟''

''یہ جرمنی کے مشہور شہر ٹنگارٹ کے جنوب میں تقریباً ۵۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔یہ پہاڑ کی چوٹی پر ہے پتلے لمبے میناروں اور برجوں پر مشتمل ہے مجموعی طور پر مصری اہراموں کی طرح دکھائی دیتا ہے''

میں ان کے پہلو میں ہی بیٹھی تھی اس لئے سب کچھ سنتی رہی مگر تجاہل عارفانہ سے کام لیا اور ان کی گفتگو سے لطف اندوز ہوتی رہی لیکن ایک موقع ایسا آیا کہ مجھے اپنی بے نیازی کو بالائے طاق رکھنا ہی پڑا۔۔

جب تانیہ نے کہا''کیا بتاؤں یار یہ کیسل کتنا سیکسی دکھائی دیتا ہے''؟؟

بالکل اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور مزید یہ کہ اس کے اندر دیواروں پر تاریخی نوعیت کی پینٹنگس آویزاں ہیں اور Unique کتابوں سے بھری لائبریری ، آرٹ گیلری، بادشاہوں کی نجی رہائش گاہ اور Princess کا خوبصورت باغ وغیرہ دلچسپی کا حامل ہے اور وہاں ایک قلعہ ہے جس میں شکسپیئر کے ناولوں اور ڈراموں کو اسٹیج پر پیش کیا جاتا ہے۔سمیر اس کی باتیں سننے کے بجائے اس کے لبوں کی سرخی کو دیکھتا رہا اور اچانک لائٹ جلنے کی وجہ سے اس کی نظر تانیہ کے ابھرے ہوئے سینے پر پڑ گئی۔ڈوپٹہ گلے سے چپکے ہونے کی وجہ سے صاف صاف نقوش کی نمائش ہو رہی تھی۔

اس نے اپنی پھڑ پھڑاتی ہوئی رگوں پر قابو پانے کے لئے گلاس میں بھرا ہوا جام غٹا غٹ پی لیا اور کھڑکی پر لٹکے ہوئے پردوں کو زور سے کھینچ کر نیچے گرا دیا۔

ایسے سحر خیز ماحول کے باوجود وہ بیزار اور مضطرب ہونے لگا۔۔دل کو بہلانے

اور دیوار پر لگی تصویر میں پوشیدہ مانوس لذت کو بھولنے اور اپنی متواتر لرزشوں سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کرتا رہا مگر اس کے اعصاب گویا ایک ساز کے تار ہو گئے جو پیہم لرزش میں تھے۔

اس کی شکل دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اپنی نفسیات اور طباعی کی اندرونی آگ میں جھلس رہا ہے مگر وہ ان کیفیات کی وجوہ سمجھنے سے قاصر ہے۔

مگر جھلستی آگ کی وجہ؟

مجھے بھی نہیں معلوم!

شاید کچھ لوگوں کے اندر یہ کیفیت ہوتی ہے، جسے وہ اپنا امتیاز یا کوئی رعایتی شئے سمجھتے ہیں۔۔

آخر کار وہ اٹھا اور اس بھیڑ سے کنارہ کش ہو کر فوارے کے پاس چلا گیا اوپر اٹھتے ہوئے پانی کی لہروں اور رات کی کالی گھٹاؤں کو دیکھ کر اس کے''جسم'' کے سلوٹ پڑے ہوئے کپڑے یاد آ گئے جن میں ان گھٹاؤں سے زیادہ۔۔۔

اس نے پھر وہی کیفیت محسوس کی، تنگ آ کر گاڑی اسٹارٹ کی اور آفس کی طرف متلاشی نظروں سے نکل پڑا۔

سمیر کو پارٹی سے غائب دیکھ کر تانیہ اس کے رویہ سے بہت نالاں ہوئی اور اِدھر اُدھر نظریں گھماتی ہوئی فوارے کے پاس چلی گئی میری نظروں نے اس کا تعاقب کیا اور پھر دھیرے دھیرے دبے قدم اس کے قریب گئی۔

''سمیر کو آپ نے کہیں دیکھا؟

''نفی میں جواب دینے کے سوا میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا''، جھنجھلا کر اس نے کہا ایسا کرنا بعض لوگوں کا جزو حیات ہوتا ہے'' بالکل صحیح کہا تم نے'' حقیقت کی بنیاد

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

دھوکہ پر ہی ہے''

مطلب۔۔؟ مطلب کچھ بھی نہیں۔

تھوڑی دیر بعد سمیر اپنے دوستوں کے ساتھ نظر آیا ۔ روشنیاں گل ہوگئیں candle light dinner کا انتظام تھا تب تک تانیہ بھی وہیں آ گئی۔۔۔۔ کھانا کھاتے ہوئے سمیر اور تانیہ شیشے کے Artificial پونڈ میں تیرتی رنگ برنگی مچھلیوں کو ایک دوسرے سے ٹکراتے اور بغل گیر ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے Dinner کرنے کے بعد لائٹ تو جلائی گئی مگر صرف اتنی گویا کہ چودھویں کی شب کا سماں باندھنے کی کوشش کی جارہی ہو۔

سمیر کے موڈ کو دیکھتے ہوئے تانیہ اسے ہال سے باہر لے کر چلی گئی وہ دونوں ریت کے ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے

کچھ بولنے کی زحمت کروگے؟؟؟ تانیہ نے کہا

تمہاری شادی کا کیا ہوا؟ سمیر نے خشک لہجے میں پوچھا۔۔

وہ کشمکش میں پڑ گئی مگر اس کے سوال کو نظر انداز نہ کرسکی۔۔۔''ان محترم کو شادی کی جلدی تھی اور میرے سامنے میرا کیریر تھا، فیشن ڈیزائنر کی جاب کا ایک بہت ہی اچھا آفر آیا تھا میں اسے کھونا نہیں چاہتی تھی ۔۔عالی جاہ سے انتظار کرنے کو کہا مگر انکار کر دیا۔ پھر کیا تھا،

Tension+Misunderstanding=breakup

میرا تو منھ کھلا رہ گیا اور اس سے آگے سننے کی قوت برداشت نہیں رہی۔

لیکن سمیر یوں ہی ساکت بیٹھا رہا۔۔

اور پھر عجیب حرکتیں شروع کر دیں۔۔اس نے اپنی مٹھی میں ریت لی اور مٹھی زور سے بند کرتے ہوئے کہا دیکھو اس ریت کو جتنا ہی تم اپنی مٹھی میں رکھنا چاہو گی اتنا ہی پھسلتی

چلی جائے گی''

میں نے تو فرار میں ہی عافیت سمجھی کیوں کہ اس قدر فلسفیانہ باتوں کو میرا ذہن قبول نہیں کرتا ہے اور دور سے ہی خلل ڈالتے ہوئے کہا!! تانیہ ابھی تک تم کیسل کو لے کر پیکر تراشی کررہی تھی اور اب سمیر فلسفہ طرازی کررہا ہے یہ دونوں ہی صورتیں میرے لئے نامانوس ہیں۔ میں یہاں سے جارہی ہوں ویسے بھی پارٹی اختتام پر ہے۔

''ایک زمانہ تھا جب میری ہستی تم سے وابستہ تھی''

چلو چھوڑو تانیہ اتنا عرصہ گزرنے کے بعد اس وقت کا ذکر اتنے شدید جذبے کے ساتھ کیوں کررہی ہو،؟؟

اتنے میں اس نے محسوس کیا کہ اس کی پیٹھ پر کچھ رینگ رہا ہے وہ تذبذب میں پڑ گئی۔ اتنی پریشان کیوں ہو؟ اف۔۔۔۔۔اوکے، اوکے ریلیکس Zip کھل گئی ہے میں بند کر دیتا ہوں پھر اس کی رگیں نہ صرف پھڑ پھڑانے لگیں بلکہ خود کو سنبھالنا پہاڑ کے مانند ہوگیا اور وہ دوبارہ ہال میں گیا ویٹر سے پوچھا ٹیبل پر رکھی ہوئی وہسکی کیا ہوئی۔

'' سروہ تو blue سوٹ والی میم جو آپ کے ساتھ تھیں انھوں نے ۔۔۔ What۔۔۔اس نے دیکھا کہ وہ بیٹھے بیٹھے لڑھکنے لگی۔

صبح ہوئی تو تانیہ نے خود کو فارم ہاؤس میں فراک کے بجائے سمیر کی کوٹ میں ملبوس پایا اور میز پر New years card کے ساتھ ایک کاغذ تھا جس میں لکھا ہوا تھا کہ افسوس وہ مجھ سے دامن چھڑا کر ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے روٹھ گئی!

مجھے معاف کرنا.....! شاید کہ تم کو یقین نہ آئے مگر یہی سچ ہے کہ.....

میں جارہا ہوں میرا بیٹا تنہا میرا انتظار کررہا ہوگا۔

نئے سال کی مبارکباد دینے میں زمرد ولا پہنچی تو نومی غائب تھا میں نے وجہ

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

دریافت کی تو زمرد بیگم نے بہت ہی پژمردگی سے کہا کہ حویلی کی بچی کچی نشانی ہوا میں دھند بن کر اڑ گئی نومی رات کو موقع پا کے ہمارا امید و یقین توڑ کر چلا گیا!!!!

☆☆☆

(راوی، جمشید پور، 2015)

نیرنگِ جنوں

حسب معمول وہ دونوں لائبریری میں الگ الگ سیٹوں پر بیٹھے کتابوں سے انصاف کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے مگر کتابوں کے اوراق ان کی نظر پریشاں کو متوجہ کرنے میں ناکام رہے'' کھوسٹ بڈھا نہ جانے کیسی کتاب لکھ کے مر گیا ایک بھی کام کی چیز نہیں مل رہی اور ابھی لیب میں بھی حاضری دینی ہے''۔

یار ستار! میرے بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہاں سے لکھوں تھوڑی دیر کے لئے میرے پاس آنا۔ مغیث نے کہا۔

ہمارے پرکھوں نے نہ جانے کون سا گناہ کیا تھا جس کی سزا ہمیں بھگتنی پڑ رہی ہے یہ پڑھائی جیسی بلا بنائی کس نے تھی؟

میں بھی اکثر یہی سوچ کر (irritate) اریٹیٹ ہوتا ہوں۔

اور دوسری طرف سینئر بھی ہم معصوموں کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔

ان کے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھے لمبے بالوں اور نیلی آنکھوں والا جوان آنکھیں پھاڑے ان کی باتیں سننے لگا اور دل ہی دل میں کہا.....What rubbish!

مغیث نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا !!'' کچھ بھی کر لے بیٹے تجھے تو ہمارے ساتھ اب اسی کنج قفس میں زندگی گزارنی ہے۔ تو ظاہر ہے ہم ایسے ہی خالص اردو بکیں گے اور تو سنے گا''

بہت معصوم لگ رہا ہے۔۔ یا شاید۔۔ ہماری طرح ہی بے گانہ ہے۔ ستار نے کہا

اپنے اور بیگانے تو درکنار مجھے یہاں سب ظالم نظر آ رہے ہیں ..... اپنے

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

ہندوستان کی طرح کوئی جگہ نہیں۔۔خصوصاً لکھنو۔

اسی لیے تو اتنی اچھی اردو عین، شین، قاف کے ساتھ بول لیتا ہے۔

تیری بھی تو بری نہیں ٹھیک ٹھاک بول لیتا ہے۔ ویسے یہ تو دادا صاحب کا احسان ہے کہ ورثہ میں کلیات و دیوان وغیرہ چھوڑ گئے تھے تو امی جان کے شوق کا لحاظ رکھتے ہوئے ذرا سا پڑھنا لکھنا سیکھ لیا۔

ایکسکیوزمی! بھورے بالوں والے نے کہا۔

یس پلیز۔ستار نے منہ بگاڑ کر کہا

ڈونٹ ڈسٹرپ پلیز۔۔۔

چل یار اس کوچے میں گزارا نہیں، کینٹین چلتے ہیں پھر لیب جا کر دیدہ ریزی کریں گے۔کل اسمبلی ہال میں سارے فریشر کو جمع ہونا ہے نہ جانے کس انداز سے ضیافت ہوگی دل ناداں ابھی سے ہچکولے کھا رہا ہے۔

اگلے روز نوٹس بورڈ پر دونوں کے نام جگمگا رہے تھے، مغیث نے کہا ارے یار لگ رہا ہے بھورے نے رات میں لائبریری میں ہونے والی ہماری خوش گپیوں کی شکایت کر دی۔

آخر دربار اکبری میں کیوں مدعو کیا گیا ہے؟

یار اس کے ساتھ کچھ تو گڑبڑ ہے۔۔نہ کسی سے بولتا ہے، نہ ہنستا ہے۔۔اس دن دیکھا تھا تو نے گراونڈ میں بیٹھا رو رہا تھا؟؟ ستار نے پوچھا۔

ارے نہیں بھائی!! میں نے اس کے روم میٹ سے پوچھا تھا۔معلوم ہوا کہ اس کے ممی کی برسی تھی۔۔اتنا کہہ کر مغیث کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

افففففف۔۔تو کیوں جذباتی ہو رہا؟؟

کیوں کہ اسی دن۔۔۔۔

کیا اسی دن؟؟ یار مغیث بتا۔۔کیا ہوا؟؟

کچھ نہیں بھائی۔۔بس یوں ہی۔۔

○

تہمینہ کو چار پانچ برس سے تواتر کے ساتھ سال میں ضرور چار چھ بار سمیع لاج میں اپنے بزنس کے سلسلے میں ٹھہرنا پڑتا تھا۔اس عرصہ میں اس نے سمیع صاحب کو کبھی سچی خوشی کے ساتھ ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا وہ اکثر سوچا کرتی تھی کہ یہ کیسی پہیلی؟؟ اس قدر امیر و کبیر ہونے کے باوجود یہ شخص خوش نہیں۔

اس مردنی کی وجہ یہ تھی کہ گنتے گنتے چالیس سال ستاروں کی طرح اوجھل ہو گئے مگر چاند نے اپنا رخ بے حجاب نہیں دکھایا ان کی اہلیہ محترمہ ٹکٹکی باندھے فلک کو دیکھتی رہیں شاید اس کی گردش ان کے خلاف پوری ہو چکی ہو۔مگر ان کی تمناؤں میں جھولنے والا کوئی نہیں آیا۔صرف تمنائیں ہی انھیں جھولا جھلاتی رہیں۔

''جاپان سے آنے والی فلائٹ کینسل ہوگئی ہے۔ایجنٹ کل شام کی فلائٹ سے دلی پہنچے گا اور مال پرسوں شام کو جا کر دلی ائیر پورٹ سے ریسیو کرنا ہوگا۔''

جب تہمینہ کو یہ میسج ملا تو بے چینی کے عالم میں لیپ ٹاپ کھول کر مزید انفارمیشن نیٹ پر دیکھنے لگی۔اب کیا ہوگا پولیس کو سراغ مل چکا ہے کہ تہمینہ چودھری سمیع لاج میں ٹھہری ہیں۔فلائٹ بھی کینسل ہوگئی دو دن یہاں کیسے گزریں گے۔اگر وہ یہاں رکتی ہے تو سمیع صاحب کے لئے خطرہ ہے اور وہ سیدھے سادیس نیک صفت سمیع صاحب کی جان جوکھم میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی یہی کیا کم تھا کہ وہ اتنی بڑی اسمگلر کو اپنے یہاں پناہ دینے پر راضی

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

ہو گئے تھے۔

ورنہ کاٹھمانڈو جیسی جگہ۔۔۔ان پہاڑوں کے بیچ میں اس کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ جتنے بھی پاکستانی بنگلہ دیشی اور عربی کاروبار کے سلسلے میں آتے، سمیع صاحب کے یہاں ٹھہرتے تھے۔اسی لیے وہاں کے دوسرے ہوٹل والے انھیں شک کی نگاہ سے بھی دیکھتے تھے۔۔۔

یا خدا!!! آج سارے ویٹر وبا کا شکار ہو گئے کیا؟؟؟

''انٹر کام کر کے تھک گئی ایک بھی Response نہیں ملا'' وہ بڑبڑاتی ہوئی سلیپنگ گاؤن پہنے سمیع صاحب کے بیڈروم تک چلی گئی اور زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

کیا ہوا میڈم تہمینہ اتنی رات گئے آپ یہاں کیوں حاضر ہوئیں؟۔

''سوال کرنے کا وقت نہیں بس کسی طرح اسی وقت مجھے یہاں سے نکلنا ہے آپ میری مدد کریں ورنہ آپ کو بھی بوریا بستر باندھنا پڑے گا۔

آپ کافی گھبرائی ہوئی ہیں۔۔۔اندر آجایئے۔۔سکون سے بیٹھ کر بات کر کے مسئلہ کو حل کرتے ہیں۔

جب معاملہ اتنا گمبھیر ہے تو آپ کا باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں باہر جا کر آپ پولیس کی گرفت سے محفوظ نہیں رہ سکتی ہیں۔

لیکن اگر پولیس یہاں چھاپہ مارے گی تو آپ کے اوپر بہت بڑا الزام آئے گا۔

آپ مطمئن رہیں میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔

مگر کیسے؟

تھوڑا سا غور وفکر کرنے کے بعد انہوں نے کہا: اس وقت یہاں ٹھہرنے والوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے بارش زیادہ ہونے کی وجہ سے پہاڑوں کے گرنے کا خطرہ رہتا ہے اور

ٹورسٹ ذرا کم ہی آتے ہیں اس لئے اس وقت مشکل سے دس بارہ لوگ ہی ٹھہرے ہوئے ہیں وہ بھی کل صبح تک چلے جائیں گے۔اور دو دن کے لئے میں لاج میں تالا لگوا دیتا ہوں اور ہم انڈر گراؤنڈ ہو جائیں گے۔

اس قدر نوازش پر وہ ہکا بکا ہو کر رہ گئی۔۔سمیع صاحب کو انسان تو سمجھتی تھی مگر اس قدر انسانیت نوازی پر دم بخود رہ گئی۔

دوسرے دن نیوز پیپر میں یہ خبر چھپ گئی ''سمیع لاج دو دن کے لئے بند''!

آپ کے بیوی بچے کہاں رہتے ہیں؟ تہمینہ نے پوچھا۔

میری کوئی اولاد نرینہ نہیں ہے۔اس وقت میری بیگم یہاں موجود نہیں ہیں۔وہ ماں کے ساتھ نظام الدین اولیاء گئی ہوئی ہیں۔

تہمینہ نے نہایت افسوس سے کہا۔''واقعی بنا اولاد کے تو ساری دولت بے سود ہے۔''

(بنا سوچے ہوئے وہ یہ جملہ کہہ گئی)

صرف دولت ہی نہیں محترمہ بلکہ پوری زندگی ہی بے رنگ ہے۔ان کے بنا گھر کے سناٹے خوفناک آوازیں نکالتے ہیں۔

''آپ ان پہاڑیوں کے بیچ کیسے آ گئے یہاں کے رہنے والے تو نہیں لگتے ہیں''

بس خدا کی مرضی۔۔۔بزنس یہیں سیٹ ہو گیا تو۔۔۔۔

(مرزا سمیع صاحب ایک اجنبی عورت سے نہ جانے کیوں اتنی شناسائی برت رہے تھے)۔

کیا آپ نے اپنی اہلیہ کا علاج کسی اسپیشلسٹ سے نہیں کرایا۔

کیوں نہیں؟ یہاں تک کہ مزاروں کی بھی خاک چھانی جب کہ ہم مزار وغیرہ کے

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

قائل نہیں تھے مگر اولاد کے لئے کچھوچہ شریف، براؤں شریف، اجمیر شریف وغیرہ اور بھی بہت سے پیروں کی۔۔۔۔

پھر تھوڑی دیر خاموشی چھائی رہی

سمیع صاحب نے پہلو بدل کر کہا۔

تہمینہ آپ ایسا پرخطر پیشہ کیوں کرتی ہیں؟؟ کیا آپ کے شوہر آپ کی کفالت نہیں کر سکتے؟

اس قدر تلخ سوال کرنے پر اس کی پیشانی پر بل آ گئے۔

معاف کریئے گا میں نے آپ کے نجی معاملے میں مداخلت کی۔

اس خانہ خراب میں ہزاروں ایسے تشنہ لب سانس لے رہے ہیں جن پر ساقی کی نظر نہیں پڑتی اسی طرح اس پودے کو بھی سایہ دینے والا کوئی گھنا درخت نہیں تھا۔

''میں خود ماں بہنوں کی ذمہ داری اٹھا رہی ہوں اگر یہ پیشہ چھوڑ دوں تو ہم سب فاقہ سے مر جائیں گے''۔

تو آپ کب تک ان کا سائبان بنی رہیں گی؟؟ ہمارے یہاں کے اوسط درجہ کے عمر کے مطابق تو آپ کی آدھی عمر کٹ چکی ہے اور مذہب اسلام میں عورت کو اس طرح تنہا زندگی گزارنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ اگر آپ ازدواجی رشتہ کے بغیر پوری زندگی کاٹ دیں گی تو خدا کے حکم کی نافرمانی ہوگی۔

''خدا ہی ہمارے ساتھ کیا انصاف کر رہا ہے کہ ہم سرخم کیے ہاتھ باندھے اس کی بندگی میں کھڑے رہیں''؟؟

خدا معاف کرے ایسی گمراہ کن باتیں نہ کیجیے۔

اس طرح اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے میں تہمینہ کے دو دن گزر گئے اور تیسرے دن

وہ اپنے سفر کے لیے روانہ ہوگئی مگر مسٹر سمیع بیگ کی باتیں اسے پریشان کرتی رہیں۔ تین مہینے کے بعد جب پھر تہمینہ واپس آئی تو سمیع صاحب کی بیگم موجود نہیں تھیں وہ علاج کے لئے گئی ہوئی تھیں اس بار تہمینہ ساڑی کے بجائے شلوار سوٹ اور دوپٹہ میں ملبوس تھی اور کافی مہذبانہ انداز میں رہ رہی تھی جس سے سمیع صاحب کافی متاثر ہوئے اور انہوں نے پھر تہمینہ سے اس کے پیشہ کے متعلق خدشہ ظاہر کیا۔

تہمینہ صاحبہ! آپ یہ پیشہ چھوڑ دیجیے آپ کے سارے مسائل کا حل مل سکتا ہے۔

وہ کیسے؟

''آپ سوال بہت کرتی ہیں۔''

پھر مسکراتے ہوئے گویا ہوئے ''آپ اپنی بہنوں کی شادی کر دیجیے اور پھر خود اپنے لیے کوئی سائبان تلاش کر لیجیے۔''

اپنے لیے سائبان تلاش کر لیجئے!

کہنا تو بہت آسان ہے مگر کوئی اندھا، لولا لنگڑا ہی ہوگا جو میرے لئے اس عمر میں Available ہوگا۔

ارے بوڑھا برگد ہی سہی!! کر تو لیجیے شریعت اسلامی کا حکم بھی پورا ہو جائے گا۔

اور ہنسنے پر مجبور مت کریے سمیع صاحب! غالب کی حیوان ظریفی آپ کے اندر بھی موجود ہے۔

غالب کے متعلق اتنی گہری واقفیت کیسے ہے؟؟؟

محترم! فیض آباد کے چال میں پیدا ہوئی، بچپن لکھنؤ میں گزرا، جوانی میں وقتاً فوقتاً رامپور جاتی رہی۔ کانپور کے چال میں رہنا پڑا پانچ سال وہاں گزار کر نیپال گنج آئی تو قسمت نے ذرا سہارا دیا اور تھوڑا بہت مال سرحد پار کرتی رہی خدا کی شان متعدد پیشوں کے

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

وظیفے کے ساتھ ساتھ دیوان غالب سے دو چار غزلیں یاد کر لیں۔لکھنؤ میں جب تھی تو ملا جی سے بہشتی زیور پڑھا۔انھیں کے تھیلے سے ناول امراؤ جان ادا چرا کر لے آئی تھی اسے بھی پڑھا بڑا مزا آیا۔اور جب رام پور گئی تو نواب صاحب کے دیوان خانے سے یادگار غالب چرالیا تھا۔موقع بموقع پڑھ کر اسے ختم کیا۔ملا جی کبھی کبھی ڈرامے وغیرہ بھی کرواتے رہتے تھے اس میں جاسوسوں اور ڈاکوؤں کا رول کرتی تھی وہی تجربہ تھا کہ اب اتنی بڑی اسمگلر بنی گھوم رہی ہوں۔بہت بہت احسان اس ملا جی کا کہ یہ پیشہ تو سکھا دیا،تو پھر سمیع صاحب کیا اس آوارہ گرد کی غالب سے واقفیت کوئی حیرت انگیز بات ہے؟؟

تہمینہ کی باتیں سن کر وہ کافی سنجیدہ ہو گئے۔

تہمینہ نے زبان کے نیچے شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کو گول کر کے سیٹی بجانے کی کوشش کر کے سنجیدگی دور کرنی چاہی۔

اررررے بھئی!!!اس وقت آپ پر تو میرؔ کی سنجیدگی اتر آئی۔

اس نے قصداً کلیات میر دیکھ کر کہا جو الماری میں نظر آرہا تھا۔

۔''سمیع صاحب آپ کا کمرہ تو پورا اردو اسٹاک لگ رہا ہے''

کلیات میر کے نیچے بوسیدہ دیوان فانیؔ اپنی حرماں نصیبی پر ماتم کر رہا تھا اور دوسری الماری میں کلیات اقبالؔ اپنے اوج ثریا ہونے پر فخر کر رہا تھا بڑے ہی احتیاط سے اس پر چاندی کا ورق چڑھا ہوا تھا اور اس پر نام لکھا تھا''مرزا عبدالغنی بیگ''

''مرزا عبدالغنی بیگ''یہ کون ہیں؟تہمینہ نے پوچھا۔

میرے والد محترم کا نام ہے۔اردو کے بڑے عاشق تھے۔مشاعروں میں شرکت نہ کرتے تو قدم بے چین، پیروں میں کھجلی ہوتی، میر دردؔ کے شیدائی، سراجؔ اور نگ آبادی کے مداح ورڈسؔ ورتھ کی نظموں کی ورق گردانی کرتے تو رات ختم ہو جاتی اور تنقید کے میدان

میں حالیؔ ہی کی طرح بالکل صادق مزاج۔پھر قہقہہ لگا کر وہ زور سے ہنسنے لگے۔

اور یہ کلیات و دیوان انھیں کی وراثت ہیں ورنہ میں تو ولایتی مزاج رکھنے والا ہوں ان سب سے کہاں دلچسپی۔

تب ہی تہمنیہ کا موبائل بجنے لگا اور وہ اٹھ کر چلی گئی۔

اس طرح آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا اور ایک دوسرے سے ہمدردی کا سلسلہ مزید سے مزید تر ہوتا چلا گیا۔دھیرے دھیرے سمیع صاحب کی طبیعت تہمینہ کی طرف مائل ہونے لگی آخر کار گہری اندھیری رات کی تاریکیوں میں وہ بھٹک ہی گئے اور ان سے وہ فعل ممنوع سرزد ہو گیا جس کی وجہ سے۔۔۔

نکاح کے بعد تہمینہ کو اپنا پیشہ چھوڑ کر ایک پردہ نشیں خاتون بننا پڑا۔سمیع صاحب نے یہ عقد مسنون اپنی بیگم سعدیہ سے پوشیدہ رکھا کیوں کہ وہ بہت ہی وفادار اور حساس تھیں مگر خدا کو نہ جانے کیا منظور تھا کہ ان کو مسلسل آزما رہا تھا۔

یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ رات کے بعد صبح،غم کے بعد خوشی، پت جھڑ کے بعد بہار آتی ہے اسی طرح سعدیہ بیگم کی کوکھ میں بھی ہریالی آ گئی۔

دوسری طرف تہمینہ نے بھی بیٹے کی ولادت کی خبر دی۔

خدا کی رحمت جو برسوں سے سوئی ہوئی تھی جوش میں آ گئی سمیع صاحب پھولے نہیں سمائے مگر اندر ہی اندر خوف بھی جنم لے رہا تھا کہ وفا کی دیوی کو کیا جواب دیں گے۔لیکن عشق بتاں میں پھنس چکے تھے تو رہِ مفر کہاں سے ملتی؟؟؟؟

سمیع صاحب کی والدہ صفیہ بیگم نے سنا تو مصر ہو گئیں کہ بہو کو گھر لاؤ تا کہ نور نظر کا دیدار ہو آخر نوکر کو لے کر گورکھپور پہنچیں اور نئی نویلی بہو سے مل کر پوتے کا فوٹو فریم بھی لے آئیں۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

جب عقیقہ کی تیاریاں ہونے لگیں تو حکم جاری کیا کہ دونوں کا عقیقہ ایک ساتھ کیا جائے۔

تہمینہ کا آنا تھا کہ گلستان سمیع صاحب پر بجلیوں کا قہر نازل ہو گیا سعدیہ بیگم کی دل خراش چیخیں سب کے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے لگیں گھر کے تمام افراد تیر و کمان سنبھال کر نو وارد مہمان کے جگر کو چھلنی کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ سعدیہ بیگم اپنی وفائیں یاد دلا کر دہائیاں دینے لگیں۔

''اجی مرزا صاحب میری محبت میں کیا کمی رہ گئی تھی میں نے کون سا گناہ کیا تھا آپ کے کس حکم کی نافرمانی کی تھی جو اس طرح مجھ پر ظلم کیا میری سوتن لا کر بٹھا دیا قدرت کی آزمائشوں کا بدلہ مجھ سے کیوں لینے لگے۔ اس آزمائش میں بھی پوری اتری خدا نے میری گود بھر دی''۔

بہت سمجھانے بجھانے پر وہ خاموش ہوئیں پھر یہ طے پایا کہ چھ مہینے سعدیہ بیگم مرزا سمیع کے ساتھ رہیں گی اور باقی چھ مہینے تہمینہ رہیں گی۔ اب تہمینہ کی بھی فریادیں شروع ہوئیں۔

آپ نے مجھ سے شادی اسی لئے کی تھی کہ اپنے آپ سے الگ رکھیں اور مجھے ثانوی حیثیت ملے آپ کے ساتھ رہنے کا مجھے پورا حق ہے آپ سے جدائی میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔ اتنا کہنا تھا کہ سعدیہ بیگم نے ایک طمانچہ رسید کیا۔

تہمینہ نے ہانک لگائی ہم بھی کسی سے کم نہیں۔۔ چلاتی ہوئی باہر نکل آئیں۔ ایک سیر تو دوسری سوا سیر ٹھہری۔ محلے والے تماش بین بن گئے۔

''ارے مرزا صاحب کہاں سے جنگلی پکڑ لائے ہیں؟ اگر یہ رہ گئی تو ساری عزت مٹی میں ملا دے گی''

سمیع صاحب نے تہمینہ کو کھینچ کر اندر کیا اور کسی طرح بھیجے میں یہ بات اتاری کہ صبر کریں انھیں ان کا پورا حق ملے گا۔۔ خیر وہ مان گئیں۔۔ مگر ان کے رویوں کی وجہ سے دلوں میں دراڑ پڑنے لگی اور سارے رشتہ دار دور لگے۔

دوسری طرف سعدیہ بیگم اتنی مخلص تھیں کہ پورے رشتہ داران کے دلدادہ تھے۔ اولاد سے محروم تو تھیں مگر پرورش کے سارے آداب سے واقف تھیں۔ جیٹھ اور دیوروں کے سارے بچوں کو پڑھایا لکھایا، باقاعدہ مہذب بنایا ذہن اس قدر ادبی تھا کہ بچے ولایت میں پڑھنے کے باوجود ان کی ہی بدولت باغ و بہار، الف لیلہ، مجموعہ فیض، مجموعہ علی سردار جعفری، راتوں کو لحاف کے اندر ٹارچ جلا جلا کے پڑھتے ان کی بحثیں اقبال کے فلسفے سے شروع ہوتیں تو کارل مارکس کی ترقی پسندی پر جا کے ختم ہوتیں۔ بچے بھی سعدیہ بیگم سے بہت لگاؤ رکھتے تھے۔ انھیں انگلش کے نام پر اے، بی، سی، ڈی بھی نہیں آتی تھی مگر ان بچوں کی بدولت اس قدر ماہر ہو گئیں کہ انگلش فلمیں دیکھتیں، کپڑے وغیرہ انٹرنیٹ پر دیکھ کر نئے فیشن کے مطابق ہی ڈیزائن کرواتیں۔ ایک طرف مائیکل جیکسن کے ڈانس کی دیوانی تو دوسری طرف لتا کے گانوں کی عاشق، لوک کتھاؤں اور ہندوستانی سنگیت کو بے حد پسند کرتیں، برسات کے موسم میں خالص ہندوستانی عورت کی طرح ہری پیلی چوڑیوں سے کلائیاں بھری رکھتیں۔

چھ مہینے گزارنے کے بعد تہمینہ نے یہ نیک خواہش ظاہر کی کہ کمائی کے آدھا حصہ کی مالکن انھیں بنائیں، مرزا صاحب نے تلخی سے کام لیا تو سارے پہاڑیوں کو فون کر کے جمع کر لیا اور وہ حمایتی بن کر مرزا صاحب کو برا بھلا کہنے لگے۔ تہمینہ پہاڑیوں کے رگ رگ سے پہلے سے واقف تھیں پورے دس سال کا تجربہ تھا یہاں کے چپہ چپہ میں گھومی پھری تھیں۔ چنانچہ دوپہر کے کھانے کے بعد جب سب قیلولہ کے لئے لیٹتے تو محترمہ وادیوں کی سیر

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

کرتیں اور مرزا صاحب کے خلاف لوگوں کی رائے کا جائزہ لیتیں۔

مرزا صاحب نے کئی بار سمجھایا کہ ایسی حرکت نہ کریں یہ ان کی شرافت پر بدنما داغ ہے مگر وہ تو اسی کی خواہاں تھیں۔ مشرق سے مغرب تک گھوم آئیں تھیں کا شانۂ سمیع میں کیسے رہ پاتیں۔

آخر سمیع صاحب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ پانی سر کے اوپر آ گیا مرزا صاحب نے ایک دن غصے میں آ کر اعلان کر دیا کہ اب وہ ایک منٹ بھی نہیں برداشت کر سکتے تہمینہ ہمیشہ کے لیے اس گھر سے نکل جائیں۔

تہمینہ کا وقت پورا ہوا اور ان کی قضا آ گئی۔۔ بیٹے کو لے کر تنہا نکل پڑیں۔

چھ سات سال کا عرصہ گزر گیا مگر مرزا صاحب نے کوئی خیر خیریت نہیں لی گھر والوں نے بہت سمجھایا کہ بیٹے کو لے آؤ۔ مگر کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔

ایک بار کسی عزیز کی شادی میں گورکھپور گئے۔ تہمینہ بیگم کو کسی طرح بھنک لگ گئی انہوں نے وہاں آنے کی زحمت فرمائی اور ساتھ میں کانگڑنوں کی ایک ٹیم بھی لے آئیں اور لہک لہک کر دہائیاں دینے لگیں۔ جب کہ شادی میں انھیں مدعو نہیں کیا گیا تھا لیکن پہلے سے بڑے اچھے مراسم تھے اس لئے صرف بیٹے کو اندر آنے دیا۔ تہمینہ بیگم کو باہر کر دیا گیا۔

مرزا صاحب بھی اپنے بیٹے (ستار) کو ساتھ لے کر آئے تھے اتفاق سے دونوں ساتھ ہی بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے۔

تمہارا نام کیا ہے۔؟؟ مغیث نے پوچھا۔

ستار بیگ

کہاں سے اور کس کے ساتھ آئے ہو۔؟؟

قیصر باغ سے۔۔ اپنے پاپا کے ساتھ۔

تم یہیں بیٹھو میں اپنے ابو سے تمہیں ملواتا ہوں۔ سمیع بیگ نے مغیث کو دیکھا تو ساون کے بادلوں کی طرح ان کا دل امڈ آیا۔

تم بھی اپنے پاپا سے ہمیں ملواؤ۔۔

میرے پاپا باہر رہتے ہیں۔ میں نے تو خود انہیں کبھی نہیں دیکھا ہے۔

معصوم مغیث کی باتیں سن کر سمیع صاحب کی پلکیں بھیگ گئیں۔

○

ڈپارٹمنٹ میں نوٹس بورڈ پر دونوں نے اپنا آئی کارڈ دیکھا تو خوف کے ساتھ ساتھ حیرت میں بھی مبتلا ہو گئے۔

مسٹر ڈونالڈ جینیفر نے کہا!! ''تم دونوں کے Details میں بڑی گڑبڑی ہے کیا تم دونوں سگے بھائی ہو''؟؟

وہ حیرت سے دونوں کو دیکھنے لگے۔۔

مغیث بت کی طرح ساکت کھڑا رہا تھوڑی دیر بعد جواب دیا۔۔۔ ہاں۔

مغیث کا جواب سن کر ستار بھی سکتے میں آ گیا۔

گورکھپور کی شادی سے لوٹنے کے بعد ممی نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا کہ سمیع بیگ ہی میرے والد ہیں۔۔ گورکھپور کی شادی کے بعد ان کے روئے مبارک کا دیدار اب تک نہ ہو سکا۔

اب تو ماں کا سایہ بھی مجھ پر نہیں رہا۔۔ اپنے بزنس کے سلسلے میں جاپان گئی ہوئی تھیں۔۔ واپس نہیں آئیں۔

سال گزرتے گزرتے بھورے لڑکے سے مغیث اور ستار کی باقاعدہ دوستی ہو گئی۔ لیکن وہ دونوں اس راز سے واقف نہ ہو سکے کہ وہ جاپان سے یہاں کیوں آیا؟؟

☆☆☆

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

شگافوں کے پیچھے

شام کا وقت تھا، گھنے بادل چھائے ہوئے تھے ایسا لگ رہا تھا تھوڑی ہی دیر میں بارش شروع ہو جائے گی محلے کے سارے بچے ننگے پاؤں باہر کھیل رہے تھے، بجلی کی کڑک کے ساتھ وہ بھی خوب شوروغل مچا رہے تھے ،لیکن وہیں پر ایک لڑکی ان تمام سرگرمیوں سے لاپرواصرف بکھری ہوئی پتیوں کو دیکھ رہی تھی جسے سمیٹ کر بچے اپنی بوریوں میں بھر رہے تھے اور کبھی اس مکان کو دیکھتی جس کی دیواروں میں بے شمار شگاف نظر آرہے تھے، وہ ان شگافوں کو اس طرح گھور رہی تھی گویا کوئی عجیب چیز ہو جب کہ اس مکان کو ہم روز دیکھتے تھے کیوں کہ وہ ہمارے گھر کے سامنے ہی تھا۔

اس اندھیرے موسم میں اس کو دیکھ کر ہم اس شش و پنج میں پڑے ہوئے تھے کہ یہ کون ہے؟ تب ہی اچانک ایک بچے نے اسے دھکا دیا اور وہ پیچھے مڑی، اس کا چہرہ ہمارے سامنے ہوا تو اس کو دیکھ کر اور ہی حیرانی بڑھ گئی کیوں کہ وہ چنکی تھی جسے ہم بچپن سے جانتے تھے۔

اتنے میں بارش شروع ہوگئی اور وہ اس بچے کے ساتھ جلدی جلدی قدم بڑھاتے ہوئے گھر میں داخل ہوئی ایک لمبے عرصے کے بعد چنکی کو دیکھ کر خوشی بھی ہو رہی تھی اور حیرانی بھی، ذہن میں اس سے متعلق بہت سے سوالات اٹھ رہے تھے، خیر صبر نہیں ہوا اور پوچھ ہی لیا۔

''تم اس وقت یہاں کیسے آئی''

سوکھے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے جواب دیا:

''بس آپ لوگوں سے ملنے چلی آئی بہت یاد آرہی تھی'' پھر دھیرے دھیرے بارش تیز ہوگئی اور چنکی اس منظر کو دیکھ کر کہنے لگی:

''ان سب کو دیکھ کر مجھے تو گزرے ہوئے دن یاد آرہے ہیں کہ میں بھی انھیں کی طرح اپنے بھائیوں کے ساتھ بارش میں کھیلتی تھی کتنا مزہ آتا تھا، جب اماں اور دادو ڈانٹتے تھے اور ہم تھوڑی ہی دیر میں ڈانٹ پھٹکار بھول کر پھر کھیلنے میں مگن ہو جاتے تھے''۔ اتنا کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

چنکی کی ایسی حالت دیکھ کر یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے بدل گئی؟ کیوں کہ وہ ایک لاابالی طبیعت کی مالک تھی، کبھی حالات اور زمانے سے متاثر نہیں ہوتی تھی، والدین کا پیار اور بھائی بہنوں کی ہمدردی اسے حاصل تھی، ان کے لاڈو پیار سے بگڑ سی گئی تھی۔ ہر کام اپنی مرضی کے مطابق کرنا چاہتی تھی گھر کے کام کاج سے کوئی واسطہ نہیں تھا ادھر ادھر جا کر کہانیاں سنانا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔

ایک دن باغ میں وہ کہانیاں سنا رہی تھی کہ محلے کا ایک ناکارہ لڑکا رشید جو کہ درختوں کی چھاؤں میں آرام کر رہا تھا چنکی کی من گڑھت کہانیاں سننے چلا آیا پھر کیا تھا اس کا بھی روز کا مشغلہ بن گیا وہ پورا پورا دن وہیں گزار دیتا، دھیرے دھیرے لاشعوری طور پر ان دونوں کے رابطے بڑھتے گئے اور یہ دونوں چھپ چھپ کر ملنے لگے اس طرح چنکی کی زندگی کیف وسرور سے لبریز ہونے لگی اور وہ دنیا و مافیہا سے بے پروا ہوگئی یہ سب اس محبت کا نتیجہ تھا جو کم وبیش ہر کسی کے دل میں موجود رہتی ہے۔ محلے کے چھوٹے بڑے سارے لڑکے لڑکیوں سے اس کے تعلقات وسیع تھے۔ اگر ماں کبھی منع بھی کرتی کہ ''چنکی اتنا گھومنا صحیح نہیں ہے'' تو کہتی ''ارے اماں کرنا کیا ہے ابھی تو موقع ہے موج مستی کرنے کا، آگے نہ جانے کیا ہوگا؟

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

مگر جب اس کی آزادانہ حرکتوں کا نتیجہ گھر والوں کے سامنے آیا تو انہوں نے پابندیاں عائد کر دیں۔ان پابندیوں نے اسے باغی بنا دیا اور وہ رشید سے شادی کرنے پر ضد کرنے لگی، محلے اور گھر والوں نے بہت سمجھایا مگر۔۔۔

اور رشید جو کہ محبت کے نام پر صرف وقت گزاری کر رہا تھا شادی کرنے کے لیے تیار نہیں تھا مگر چنکی کے جذباتی رویوں نے اسے شادی کرنے پر راضی کر لیا۔

ایک دن تو اس نے یہاں تک کہہ دیا ''اگر میری شادی اس سے نہیں ہوئی تو میں کہیں نہیں کروں گی اور جو میرا دل کہے گا وہی کروں گی۔

ادھر رشید کی توجہ نے اسے شہہ دے دی تھی اور یہ ہر وقت یہی سوچتی رہتی کہ کس طرح اس گھر سے چھٹکارا ملے گا۔اسے گھر والوں سے نفرت ہونے لگی تھی ہر وقت بھائی بہنوں سے الجھتی، بات بات پر لڑنے کے لیے تیار ہو جاتی اس کے ان رویوں سے گھر والے عاجز ہو گئے۔

لہٰذا ایک رات وہ رشید سے ملی اور کہنے لگی ''خدا کے واسطے مجھے یہاں سے لے چلو''۔رشید نے بہت ٹالنا چاہا مگر چنکی کی ضد کے آگے اس کی ایک نہ چلی۔

اس حادثے سے پورے محلے میں ہلچل مچ گئی ،اس کے گھر والے طنزیہ نظریں اور طعنے برداشت نہ کر سکے، چنانچہ انھوں نے وہ جگہ چھوڑنے میں ہی عافیت سمجھی ،گویا انھوں نے چنکی کے واسطے یہ جگہ چھوڑ دی، اس واقعے کو پیش آئے ہوئے چار سال گزر گئے ،لوگ تو اسے بھول بھی گئے ،مگر جب کہیں ٹھکانا نصیب نہیں ہوا تو چنکی رشید کے ساتھ اپنی بیٹی کو لے کر اسی محلے میں واپس آئی ،حالانکہ اس کے والدین کا چھوڑا ہوا گھر موجود تھا مگر اس نے کرایہ کا مکان لیا اور رہنے لگی، وہی محلّہ وہی لوگ۔۔۔لیکن وقت بدل چکا تھا۔

قسمت کی ستم ظریفی یہ تھی کہ رشید کا ناکارہ پن اب بھی برقرار تھا بلکہ اس میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔بجائے اس کے کہ وہ کچھ محنت کر کے چار پیسے کماتا، صرف شراب پینے اور گل چھرّے اڑانے میں سارا دن گزار دیتا تھا، اور گھر کی کوئی خبر نہیں لیتا تھا اگر بھول بھٹک کر کبھی آدھی رات کو گھر آتا تو بیوی کو مارنے پیٹنے کے سوا اور کوئی کام نہیں رہتا مصیبتیں برداشت کرتے کرتے اس کے چہرے کی رونق ختم ہو گئی تھی اور سارا جسم داغدار ہو گیا تھا۔

ایک دن محلے میں کسی نے پوچھا ''چنکی تیری حالت ایسی کیوں ہو گئی ہے''؟

مگر اس نے ہلکی سی مسکراہٹ سے سارے زخموں کو چھپا لیا۔

ان حالات سے گزرتے ہوئے ایک دن اس نے کہا ''مجھے اماں دادو کی بہت زیادہ یاد آ رہی ہے لیکن کیا کروں اپنی کرتوتوں کی وجہ سے شرمندہ ہوں اور پھر یہ بھی تو نہیں جانتی کہ وہ کہاں رہتے ہیں اور اگر ڈھونڈنے جاؤں تو بتاتے ہوئے بھی شرم آئے گی اور خدا جانے کہ وہ مجھے پہچانیں گے یا نہیں۔

اسی طرح وہ کئی بار صرف سوچ کر مایوس ہو کر رہ جاتی اور ضمیر اس کو ملامت کرنے لگتا۔

ایک دن اس نے کہا ''دیکھو رشید! یہی گھر ہے جس میں اماں دادو رہتے تھے اور اس گھر میں کتنی چہل پہل رہتی تھی اور سارے بچے جمع ہو کر مجھ سے کہانیاں سنتے تھے۔

اس کے بعد اس نے کہا: ''مہربانی کر کے ایک بار مجھے اماں دادو سے ملوا دو''۔

رشید طیش میں آ کر بولا: ''اگر تم ملنے جاؤ گی تو پھر واپس مت آنا'' اور غرا کر بولا'' بہت ملنے والی بنتی ہو''؟

چنانچہ وہ ڈر کر خاموش ہو گئی، اسی درمیان کسی نے بتایا کہ اس کی ماں کا انتقال

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

ہوگیا، یہ سن کر چنکی کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اوروہ دماغی توازن کھوبیٹھی ماں کی ممتااس پر غالب آ گئی اوروہ ماں سے ملنے نکل پڑی جوناممکن تھا۔

جب شام کورشید گھر لوٹا تو اسے نہ پا کرتھوڑا سافکر مند ہوا۔

کئی روز گزر گئے مگراس نے ڈھونڈنے کی کوشش نہ کی ، بچی کی طرف بھی کوئی خاص توجہ نہ دیتا،جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بیمار ہوگئی۔

لیکن ایک دن وہ بچی کوسخت بخار میں دیکھ کرتڑپ اٹھا،اس نے ڈاکٹر کودکھایا اور محلے والوں سے چنکی کے بارے میں پوچھتا پھرا۔وقت بڑھنے کے ساتھ اس کی بے چینی بڑھتی گئی ، جوں جوں اندھیرا ہوتا گیااس کی جان خشک ہوتی چلی گئی ،کوئی بھی ولی پیر نہیں بچاجس کی منت نہ مانی ہو،کبھی اندرآ تا تو کبھی باہر جاتااس کا دل کسی خوف زدہ پرندے کی مانند کبھی نشیمن میں آ کر بیٹھتا تو کبھی شاخ پر!

خود سے کہہ رہا تھا کہ آخر میں نے کیاقصور کیا ہے جس کی سزامل رہی ہے؟ اوردعائیں کرنے لگا۔

''اے خدامجھے معاف کردے میں مصیبت زدہ ہوں برداشت کرنے کی طاقت مجھ میں نہیں ہے''۔

وہ سر پر ہاتھ رکھ کررونے لگا۔

آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے ننھی ننھی بوندیں پڑرہی تھیں،ایسا لگ رہا تھا کہ اس بیچارے کے ساتھ رونے والا بھی کوئی نہیں ہے،تو یہ بوندیں اس کا ساتھ دے رہی ہیں یہاں تک کہ ساری رات گزرگئی اوروہ واپس نہیں آئی۔جب صبح ہوئی تو رشید حواس باختہ ادھرادھراسے ڈھونڈھتا پھرااوردل میں اپنی غلطیاں تسلیم کرتا رہا،اس کی ہمت جواب

دے گئی،اب اسے کچھ کھودینے کا احساس ہورہا تھا،تھک ہار کراس نے چنکی کوڈھونڈنا بند کردیااس طرح کئی مہینے گزر گئے مگروہ واپس نہ آئی۔

جاتے وقت اس نے اپنے والدین کے چھوڑے ہوئے گھر کوخوب غور سے دیکھا تھااور بڑبڑارہی تھی اماں دادو! آپ لوگ کہاں ہو؟ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں گویاوہ التجا کررہی تھی۔

بہرحال اس نے بھٹکتے ہوئے کسی طرح اپنے باپ اور بھائیوں کوتلاش کرلیاانہوں نے اس کا علاج کرایا،خیراس کا دماغی توازن بحال ہوگیا تب اسے اپنی بیٹی کی یادآئی،مگراپنے اوپرڈھائی گئی مصیبتوں کویادکرکے وہ رشید کے پاس جانے سے کترارہی تھی۔

اب وہ بیٹی کی محبت اوررشید سےنفرت کے درمیان اس کشتی کے مانندڈانواڈول ہورہی تھی ،جس کےاوپرطوفانی ہوا ہواور نیچےسمندرموج زن ہوکبھی رشید کی نفرت سے اس کا کلیجہ مضبوط ہوجاتا تو کبھی بیٹی کی محبت دل کوکمزورکردیتی،لیکن جوں جوں دن گزرتے گئے محبت پست ہوتی چلی گئی ،نئی نئی دلیلیں اس کی تمنا کوکمزورکرتی چلی گئیں اوراس نے رشید سے رشتہ توڑنے کا فیصلہ کرلیا۔

اس نے فیصلہ تو کرلیالیکن دل نہیں مان رہا تھاوہ خود کہتی ہے کہ''ایسامحسوس ہوتا تھاجیسے اندرہی اندرکوئی مرض کھائے جارہا ہے، مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کروں، رشید کےتو نام ہی سے دل دہل جاتا تھالیکن بھائیوں کے ساتھ رہنا بھی مناسب نہیں تھا، آخر میں نے ارادہ کیا کہ میں یہاں بھی نہیں رہوں گی۔''

نیرنگئ زمانہ نے اس کے ساتھ اتنے کھیل کھیلے کہ پھراسی محلے میں آناپڑااوروہ تیسری باراسی مقام پرآئی جہاں سے چلی تھی۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

اب اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ کہہ رہی تھی میں آتو گئی ہوں مگر مجھے رشید سے کوئی واسطہ نہیں رہا، بلکہ شگافوں والا یہی گھر میرا سہارا ہے اور میں اسی مکان میں رہوں گی، میری اماں اور دادو چلے گئے مگر ان کی محبت اس گھر کے کونے کونے میں باقی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ انھوں نے یہ گھر میرے واسطے ہی چھوڑا تھا۔

چنانچہ اس مکان میں پڑے ہوئے شگافوں کی طرح اس کی زندگی میں بھی بے شمار شگاف ہو گئے تھے اور بکھری ہوئی پتیوں کی مانند یہ بکھر گئی تھی، ان پتیوں کو بچے سمیٹ رہے تھے مگر اس کو سمیٹنے والا کوئی نہیں تھا۔

(''روزنامہ عزیز الہند'' 2013)

☆☆☆

نہ کھیں جھاں میں اماں ملی

گرمی کی چھٹیاں اتنی جلدی ختم ہو گئیں کچھ پتہ بھی نہیں چلا۔ غروب ہوتے ہوئے سورج کی طرح میرا دل بھی افسردہ ہو گیا تھا.....۔

سورج کی کرنیں ماند پڑ رہی تھیں، ہر بار کی طرح جانے سے ایک دن پہلے میں چھت پہ کھڑی ہو کر چاروں طرف ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال رہی تھی، سڑک پر دوڑتی ہوئی گاڑیوں کو دیکھ کر میری کیفیت عجیب ہو رہی تھی، اچانک میری پریشان کن نظریں اس لڑکی پر آ کر ٹھہر گئیں جو سامنے والے مکان میں کرائے پر رہتی تھی، جس کے ساتھ دو چار بار اسی کے عمر کے ایک لڑکے کو بھی میں نے دیکھا تھا۔

میں تجسس میں پڑ گئی، یہ دونوں کون ہیں؟ اگلے ہی لمحے.....

مگر میں ان کے بارے میں کیوں سوچوں؟ مجھے کیا غرض؟

خیر میں نیچے آئی، لیکن نہ جانے کیوں مضطرب تھی، بار بار سوچ رہی تھی کہ کاش کوئی سراغ نکل آئے، ان دونوں کے متعلق پتہ چل جائے یہ کون ہیں، ان کا رشتہ کیا ہے؟ کہاں سے آئے ہیں؟

شکل وصورت سے میں نے اتنا اندازہ تو لگا ہی لیا تھا کہ وہ یہاں کے رہنے والے نہیں ہیں....

پھر خیال آیا کہیں یہ وہ تو نہیں جن کے بارے میں کئی مہینوں سے سن رہی ہوں فوراً جا کر میں نے امی سے پوچھا اور میرا شک یقین میں بدل گیا! واقعی یہ وہی لڑکی ہے۔

کون لڑکی؟

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

کون؟

کون؟

میں نے اپنے آپ سے سوال کیا، کہیں وہ ہم میں سے تو کوئی نہیں ہے جنھیں میں برسوں سے جانتی ہوں، اگر ہماری طرح نہیں ہے تو!

میں اس کی طرح ہوسکتی ہوں! مگر کیوں؟ میں اس کی طرح کیوں ہوں؟

میں نے ذہن پر زور دیا مگر سمجھ میں نہ آیا! چلو آگے چل کر شاید اس کا جواب مل جائے میں نے خود کو تسلی دی۔

رات کے لباس کو چاک کر کے صبح نمودار ہوگئی مگر وہی بے چینی! کیوں ہے یہ بے چینی! کس چیز کی! صبح کا وقت عموماً اتنا غمگین اور اداس نہیں ہوتا، لیکن آج تھا، کیوں کہ ہمارے دکھوں کا تعلق ماحول یا وقت کی کیفیتوں سے ہوتا ہے۔

اگلے روز ہی مجھے ہاسٹل جانا تھا۔

یکا یک دروازے پر دستک ہوئی، میں رک گئی، اس آواز کو سن کر امی نے بھی پہلو بدل کر نظریں گھمائیں اور میری آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں، دل سے ایک آواز نکلی، لگ رہا ہے خدا نے میری بے چینی اور اداسی دیکھ لی، میں نے اس کی طرف حیرت اور خوشی سے ملی جلی نظروں سے دیکھا اور مسکرا پڑی۔ امی نے اس سے بیٹھنے کے لیے کہا۔

تھوڑی دیر تک تو سمجھ میں نہ آیا کہ میں کیا کروں؟

پھر میں نے اس سے نام پوچھا۔

''صبا''، مسکرا کر جواب دیا۔

میں دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ اور کیا باتیں کروں؟ کل سے تو میں اتنی زیادہ مشتاق تھی کہ اس کے بارے میں جانوں کہ یہ کون ہے، مگر اب جب سامنے ہے تو زبان

میرا ساتھ نہیں دے رہی ہے۔

ایسا لگ رہا تھا کہ خاموشی کو توڑنے کے لیے وہ اپنی موٹی موٹی شراب انڈیلتی آنکھوں سے کبھی مجھے تو کبھی اپنے اردگرد غور سے دیکھ رہی ہو! جس سے میں سٹپٹا جاتی کہیں یہ میری سوچ نہ پڑھ لے کہ میں کل سے اس کی منتظر ہوں۔

لیکن اس شک نے بلا وجہ مجھے خوف زدہ کر رکھا تھا کیونکہ وہ میری نظروں سے زیادہ تو گردوپیش کے ماحول کا جائزہ لے رہی تھی۔

میں نے اس کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ تم کہاں کی رہنے والی ہو؟

اس نے جواب دیا میں انڈیا سے۔ تب مجھے خوشی اور دلچسپی دونوں ہوئی کیونکہ اس کے متعلق میرا اندیشہ صحیح نکلا اور میں نے ان گنت سوال کر ڈالے۔

تم نے تعلیم بھی وہیں حاصل کی ہوگی؟

جی! میں نے ایک اسکول سے بارہویں کلاس پاس کیا ہے اور اس کے علاوہ کورسیز گھر رہ کر کیے ہیں۔ اس کے بعد اپنی پوری قوتِ گویائی اکٹھا کر کے میں نے لرزتی زبان سے پوچھا آپ کے ساتھ کون رہتا ہے؟

''میرے شوہر'' اس نے جواب دیا۔

وہ کیا کرتے ہیں؟

اس نے نظریں جھکائے ہوئے وہ وہ.....

وہ میری طرف دیکھ کر خاموش ہوگئی اور پھر اس طرح بولی جیسے میرا دھیان بٹانا چاہ رہی ہو!

واقعی وہ یہی چاہ رہی تھی اس نے بڑی چالاکی سے کام لیا اور کہا جب میں نے آپ کے بارے میں سنا کہ آپ انڈیا میں رہتی ہیں اور وہاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں تو بہت

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

اچھالگا!

تب میں چپ چاپ اس کی آنکھوں میں جھانکتی رہی اور اپنے چھوٹے ذہن سے اس کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کرنے لگی مگر نا کام رہی۔

پھر خاموشی چھا گئی! میں نے پوچھا آپ چپ کیوں ہیں ،کیا آپ کو اپنے گھر والوں کی یاد آرہی ہے۔''نہیں! ایسی کوئی بات نہیں''اس نے مسکرا کر کہا،مگر اس بار میں نے اس کی مسکراہٹ کے پیچھے چھپے ہوئے درد کو پڑھ لیا تھا!

ماحول میں ذرا تبدیلی لانے کے لیے میں نے اسے تاج محل اور قطب مینار وغیرہ کے فوٹو گراف دکھائے جسے وہ بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی اس کے بعد جب ۲۶ر جنوری پر Flag hosting کے فوٹو اس نے دیکھے تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں اور نہایت ہی جذباتی ہو کر کہا یہ سب کتنا خوبصورت لگ رہا ہے۔

اس کے چہرے پر ٹھہری ہوئی حسرت سے دل میں اٹھتے ہوئے جذبات کا اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اس فوٹو کو دیکھ رہی تھی۔

یہ منظر دیکھ کر مجھے ذرا تعجب ہوا کہ یہ فوٹو اسے اتنا کیوں پسند آیا؟

میں نے اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر کر فوٹو سے متعلق چھپے ہوئے جذبے کو جاننا چاہا مگر سوال کرنے میں ذرا جھجک محسوس ہوئی!

جس طرح صبح کا زرد آفتاب آہستہ آہستہ نصف النہار تک پہنچ جاتا ہے اس کی کرنیں ہر ذرہ کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہیں اسی طرح میں نے بھی اپنی باتوں کے سحر میں اسے پوری طرح جکڑنا چاہا۔ اس کے بعد میں اپنے اصل سوال پر آئی۔

تو آپ یہاں کیسے آئیں؟

اس نے سرد آہ بھری اور دیوار پر آویزاں تاج محل کی سینری کو دیکھنے لگی جس میں

چاندنی رات نے تاج محل کو اور زیادہ چمک دار بنا دیا تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اس چاندنی رات کی وسعتوں میں اپنے خواب اور جوابوں کو تلاش کر رہی ہے۔

اس نے جواب دیا''ہم دونوں نے اپنا گھر چھوڑ دیا اور یہاں آ کر نکاح کر لیا ہے۔''یہ سن کر میری آنکھوں کے حلقے حیرت سے پھیل گئے، میں پلک جھپکانا بھول گئی لیکن اس نے یگانگت کے بے پناہ احساس کے ساتھ اپنی بات جاری رکھی، ایسا لگ رہا تھا کہ وہ مجھے برسوں سے جانتی ہے اور میں اس کے احساسات وجذبات کو سمجھ رہی ہوں۔

کیا تمہارے لیے پورا ہندوستان چھوٹا پڑ گیا تھا، یا وہاں کے درختوں نے تمہارے اوپر سے اپنا سایہ ہٹا لیا تھا، یا وہاں کی گلیاں تمہارے لیے تنگ ہو گئیں تھیں جو اپنا وطن چھوڑ کر یہاں آ گئیں۔

اس کی آنکھوں سے آنسو کے بے شمار قطرے چھلک پڑے۔ اس نے ضبط کرتے ہوئے کہا! جب ہم گھر سے نکلے تھے رات اندھیری تھی، آسمان پر ستاروں کا غبار جھلملا رہا تھا، پوری فضا وطن کی سوندھی مٹی کی خوشبو سے لپٹی ہوئی تھی اور اس کی خوشبو کو میں ہمیشہ کے لیے الوداع کہنے والی تھی۔

میں اس سرزمین کو الوداع کہنے والی تھی جہاں میرے بچپن نے ممتا کی لوریاں سنی تھیں، جہاں میرے لڑکپن نے چھوٹے چھوٹے جذبوں سے محبت کرنا سیکھا تھا، جہاں میری عقل وہوش کے بال وپر نکلے تھے۔

میں اس کی دردانگیز باتیں سننے میں اتنی محو تھی کہ وقت کا احساس بھی نہیں ہوا، تبھی امی کی زوردار آواز نے مجھے جھنجھوڑ دیا کہ جلدی سے اٹھو اور جانے کے لیے تیار ہو جاؤ نکلنے کا وقت ہو گیا ہے۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

کیا؟ نکلنے کا وقت ہو گیا؟ میں نے حیرت سے پوچھا۔

یہ سن کر صبا نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا گویا وہ جانے کی اجازت چاہ رہی ہو، جانے سے پہلے وہ میرے قریب آئی اور محبت بھرے لہجے میں پوچھا آپ کب واپس آئیں گی؟ میں نے جواب دیا تین چار مہینے میں تو آجاؤں گی.....۔

تیز ہوا کا جھونکا ہمارے پاس سے گزرا جس کی وجہ سے اس کی زلفیں چہرے پر بکھر گئیں اور وہ کچھ کہے بغیر آنکھیں ملتی ہوئی چلی گئی۔

دوسرے دن جب میں ہاسٹل پہنچی تو بہت ساری چیزیں میرے ذہن میں گڈمڈ ہو رہی تھیں! میں کیوں اتنی جلدی آ گئی؟ پھر میرے ذہن میں صبا کا خیال آیا آخر کیا وجہ تھی جو وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر چلی آئی؟

ابھی کلاسیز شروع نہیں ہوئی تھیں، میرا زیادہ تر وقت عصمت، قرۃ العین حیدر اور خالدہ حسین وغیرہ کی کہانیاں پڑھنے میں صرف ہوتا، کچھ وقت دوستوں سے باتیں کرنے میں گزرتا، مگر میرا دل کسی کہانی سے مطمئن نہیں ہوتا، میں تو بچھڑے ہوئے پرندے کی مانند چھٹیوں کا انتظار کر رہی تھی تاکہ صبا سے ملوں اور اس کی.....

جب میری چھٹی ہوئی تو سردیاں شروع ہو چکی تھیں، ویسے بھی سردیوں کے دن کافی چھوٹے ہوتے ہیں، نصف حصہ گزر جانے کے بعد ٹمٹماتا ہوا زرد سورج نظر آتا ہے اور کرنیں مکمل طریقے سے اپنے پر پھیلا بھی نہیں پاتیں کہ رات اپنی کالی زلفیں بکھیرنا شروع کر دیتی ہے۔ شدید جاڑے، سفر اور امتحان کی تکان کے باعث میں ایک ہفتہ تک چھت پہ بھی نہیں گئی۔

آہستہ آہستہ سردی کم ہوئی کہرے اور دھند سے سورج نے اپنا دمکتا ہوا چہرہ باہر نکالا، اعضاء کو سُن کر دینے والی سرد ہوائیں ذرا کم ہوئیں تو میں بھی باہر نکلی اور ایک رسالہ

ہاتھ میں سنبھالے ہوئے چھت پہ گئی۔

گھر آنے کے بعد کئی بار میں امی سے پوچھ چکی تھی صبا نہیں آتی ہے کیا؟

''ہاں ایک دو بار تو آئی تھی مگر میرے پاس وقت نہیں تھا اس لیے وہ تھوڑی دیر ہی ٹھہر کر چلی گئی اور ویسے بھی وہ تو یہیں کے ماحول میں ڈھل گئی ہے، ہمارے یہاں کس لیے آئے۔'' مجھے اس بات پر حیرت ہوئی۔

''یہاں کا ماحول''؟

اور وہ.....!

ایک دن میں نے خود اسے بلایا، کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی۔ اس نے پوچھا آپ کب جائیں گی، اب تو یہیں رہنا ہے! میں نے جواب دیا۔

کچھ دیر خاموشی، پھر باتیں، یہ سلسلہ جاری رہنے کے باوجود ایسا لگ رہا تھا کہ خاموشی کا پہرہ مسلط ہے اور اس کا قفل ٹوٹ نہیں رہا ہے۔ اس کے چہرے پر آتے جاتے کئی رنگوں کو میں نے غور سے دیکھا جو واضح انداز میں سامنے نہیں آ رہے تھے۔

کیا سوچ رہی ہو؟ میں نے پوچھا؟

کچھ نہیں بس سوچ رہی ہوں کل ۲۶ جنوری ہے اور پھر الیکشن آنے والا ہے، گھر پہ کتنی دھوم ہوگی مختلف پارٹیاں آ رہی ہوں گی، ابو جان نے سفید ایپرن اتار کر سفید نیتاؤں والا ڈریس پہن لیا ہوگا، گیٹ کے باہر گاڑیوں کا ہجوم ہوگا۔ میرا دل بہت چاہ رہا ہے کہ میں گھر چلی جاؤں۔

جب تم اپنے وطن کو اتنا یاد کرتی ہو تو پھر یہاں کیوں آئیں۔ میں نے وہی پرانا سوال دہرایا؟

میری بات سن کر اس کے چہرے پر تلخی آ گئی اور ایسا لگ رہا تھا کہ اگر وہ جواب

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

نہیں دے گی تو اندر کی گرمی اور کڑواہٹ سے اس کے ہونٹ جل جائیں گے۔

اس نے کہا دل کے ہاتھوں مجبور تھی جیسی کہ اب ہوں اور یادوں پر قابو نہیں کر پا رہی ہوں۔

اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا میں شہروز سے پیار کرتی تھی جو ہر وقت میری نظروں کے سامنے رہتا تھا، مگر میرے والد کو یہ بات پسند نہیں تھی اور انھوں نے مجھے اپنے پاس بلا لیا جہاں ان کا ہاسپٹل تھا اور ایک سوتیلی ماں بھی، ایک تو اپنی ماں سے اور شہروز سے جدا ہونے کا غم مجھے کھائے جا رہا تھا، دوسرے یہ کہ میری سوتیلی ماں میرے سر پر کوئی نہ کوئی الزام لگا کر دو دونی چار کر کے والد صاحب سے کہتیں اور میں ان سے اس طرح ڈرتی جیسے مزاروں کے چراغ سے شیطان ڈرتے ہیں ایک خطا کی سزاوار تو میں پہلے سے ہی تھی اور دوسرے یہ من گھڑت الزام۔

اس سے پہلے میں ایسے پُر خار راستوں سے نہیں گزری تھی۔ چار بھائیوں کی اکیلی بہن، دل میں کوئی خواہش پیدا ہونے سے پہلے پوری ہو جاتی۔ میرے والد مجھ سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ مگر دھیرے دھیرے ان کا پیار نفرت میں بدلتا چلا گیا اور مجھ پر سخت سے سخت پہرے لگاتے گئے۔ ذرا سی بات پر پھٹکار دیتے، حد یہ کہ بھائیوں سے ملنے پر بھی پابندی لگا دی تھی کہ کہیں وہ ترس اور ہمدردی میں آ کر میری طرف داری نہ کرنے لگیں۔

چنانچہ ایسے ماحول میں میرا دم گھٹنے لگا تھا اور میں اس گھر سے چھٹکارا پانے کی دعائیں کرنے لگی تھی۔ اب اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور میری طرف دیکھا!

میں نے بھی اسے تسلی دینے والی نظروں سے دیکھا!

''تم نے اس عرصے میں کبھی شہروز سے بات نہیں کی''؟ میں نے پوچھا۔

وہ درد تھا اپنوں سے دوری کا، اپنے شہر اور گاؤں سے بچھڑنے کا، اپنے وطن اور اپنے گھر سے دور جانے کا۔

جب میں نے دہلیز سے باہر قدم رکھا تو ایسا محسوس ہوا کہ اس کی چوکھٹ مجھے اپنی جانب کھینچ رہی ہے۔ میں نے دیکھا کہ شہروز گاڑی لیے اپنے دوستوں کے ساتھ بے صبری سے میرا انتظار کر رہا ہے۔ میں گاڑی میں بیٹھ گئی!

میرے چہرے کو شہروز غور سے دیکھ رہا تھا، اپنی فتح اور میری نجات پر خوشی کا اظہار کر رہا تھا، میں بھی زیر لب مسکرائی میں نے پوچھا ہم کہاں جا رہے ہیں؟

یہاں سے اتنی دور جہاں غم کا کوئی سایہ تمھیں چھونے نہ پائے اس شہر کا پرندہ بھی اس جگہ کا سراغ نہ لگا پائے اور شہروز نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا!۔

میں نے شہروز کے کندھوں پر سر ٹکاتے ہوئے پوچھا ہم کب تک اسی طرح سفر کرتے رہیں گے۔

''اطمینان رکھو ہم اپنے گاؤں کو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں!!''

منزل دور تھی، رات اندھیری، ستاروں کی آنکھیں بھی میری تقدیر پر ایک کشمکش کے ساتھ چھلکنے لگی تھیں اور ہم جنگل سے گزرتے رہے!

شہروز نے بڑے پیار سے کہا کہ صبا! اب ہماری منزل شاید آنے والی ہے۔

میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ہم ہندوستان کی سرحد سے بہت آگے نکل آئے تھے۔

میں نے شہروز سے کہا اب ہم سرحد کی طرف نہیں لوٹ سکتے کیونکہ میرے والد کے جاسوس وہاں پہنچ چکے ہوں گے، اگر ہم ادھر گئے تو پکڑ لیے جائیں گے۔ اب ہمارے جتنے بھی قدم اٹھیں گے آگے کی طرف اٹھیں گے اور صبح کی روشنی کے ساتھ آنے والی اس سرحد کو بھی پار کر جائیں گے۔ ہمیں کوئی نہیں دیکھ پائے گا!۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

میرا سر اُس کے کندھوں پر اسی طرح جما ہوا تھا جیسے کوئی تھکا ہوا طوفانی پرندہ ہوا کے جھونکوں میں ہلتی ہوئی شاخ پر بیٹھ جاتا ہے۔

شہروز نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ادھر دیکھو صبا لال بتی جل رہی ہے۔اب ہمیں یہ گاڑی چھوڑنی پڑے گی کیونکہ یہ انڈین گاڑی ہے۔اب ہمیں پیدل چلنا پڑے گا!۔

میں نے حیرت سے پوچھا! کیا یہاں سے کوئی سواری نہیں ملے گی؟؟

یہ تو بہت برا ہوا!۔

کچھ برا نہیں ہوا، یہ کہتے ہوئے وہ کھڑا ہو گیا۔اس نے پوری قوت وتوانائی کے ساتھ کہا تو کیا ہوا؟ سواری نہیں ملے گی تب بھی ہم یہ سفر طے کر کے اپنی انجانی منزل تک پہنچیں گے،اس کے اندر بڑی طاقت تھی، بڑا جوش تھا، بڑی آگ تھی۔

میں پیدل چلتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ جان دے کر جو چیز حاصل کی جائے کتنی قیمتی ہوتی ہے اسی لیے تو وہ سرحد جو ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں وہ قیمتی اور انمول ہے کیونکہ اسے ہمارے شہیدوں نے قربانی دے کر حاصل کی تھی اسی لیے تو اس کی سرحد کی مٹی اتنی خوشبودار ہے کیونکہ اسے خون سے سینچا گیا تھا!۔

پورے دن چلنے کے بعد ہم ایک قصبے میں پہنچے، ہم بہت تھک گئے تھے شام ہو چکی تھی، سفر نے بالکل نڈھال کر دیا تھا، ہمارے کپڑے غبار آلود تھے، مگر یہ شام اور آگے کی منزل ہمارے کپڑوں سے زیادہ دھندلی تھی۔

اس کے بعد صبا نے مجھ سے پانی مانگا اور نہایت ہی اطمینان واعتماد بھری نظروں سے مجھے دیکھا اور کہا آپ کو کوئی کام تو نہیں کرنا، میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ پھر کہا کہ تمہاری کہانی میں اتنے نشیب وفراز ہیں کہ میرا ذہن بالکل الجھ گیا، گھر کے کام اور دوسری چیزیں تو رفو چکر ہی ہو گئیں!۔

میری بات پر صبا مسکرانے لگی!!

جب تم یہاں آئے تو تمہیں کس نے پناہ دی؟؟؟

وہ زیر لب مسکرائی اور کہا خدا کی مہربانی اور رحمت ہر لمحہ ہمارے ساتھ رہی، جیسے ہی ہم اس نئے ملک کے انجان قصبے کے اجنبی محلے میں داخل ہوئے ایک آدمی نے ہمارا استقبال کیا۔

لائٹ نہیں تھی، دو چار چراغ اس اندھیرے کو داغ دار کر رہے تھے، شاید اس آدمی کی گاڑی کی فرنٹ لائٹ خراب تھی اس لیے بنا دیکھے ہوئے گاڑی ہمارے سامنے روک دی جس سے دل تو بہت زور سے دھڑکا، مگر ہم نے قابو کر لیا!

خدا کا شکر اس نے ہمیں اس ناگہاں آفت سے بچا لیا اور اس آدمی نے شرمندہ ہوتے ہوئے اپنے اس رویے پر معافی مانگی، اس نے پوچھا! آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں اس اندھیری رات میں؟

پھر کیا تھا ہم نے اس سے پوری روداد بیان کر دی اور اس نے ہمدردی اور انسانیت کا ثبوت دیا، اس نے پہلے تو اپنے گھر فون کر کے ہماری آمد کی خبر دی، گھر پہنچنے پر اہل خانہ نے ہمارا استقبال کیا۔

میں نے پوچھا صبا! وہ فرشتہ صفت انسان ہیں کون؟

صبا ہنسنے لگی اور کہا وہی جسے آپ لوگ ناکارہ اور الھڑ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

مطلب؟؟ میں نے کہا

شمیم انکل کا بڑا بیٹا.....

اچھا! میں نے تعجب سے کہا۔

پھر دوسرے دن شمیم انکل اور دوسرے لوگوں نے مل کر ہمارا نکاح کرا دیا، میرے

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

گردعورتیں بچے سب بیٹھے ہوئے تھے، جو کہ ایک نامانوس جذبے کے ساتھ مجھے دیکھ رہے تھے ،اس طرح ہم نے نئی زندگی کی شروعات کی، کئی رشتے بنائے بے نام رشتوں کو نام دیا یہاں کسی سے خونی رشتہ نہیں تھا، مگر دھیرے دھیرے سب اپنے لگنے لگے۔

یہ میرے لیے مبارک رات تھی مگر.....

رات میں جب شہروز نے چراغ کی پھڑ پھڑاتی ہوئی لَو کو دیکھنے لیے سر اٹھایا تو مجھے دیکھ کر ایک بڑی شرمیلی سی مسکراہٹ اس کے بند ہونٹوں میں دب کر رہ گئی یہ جملہ کہتے کہتے صبا کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اور میں بھی مسکرانے لگی۔

میں نے مذاق کرتے ہوئے کہا او ہو تم واقعی شہروز کی ملکۂ شب بن کر حکومت کرنے لگیں۔

میں کئی مہینے شمیم انکل کے گھر میں رہی پھر ہم نے کرائے پر ایک کمرہ لیا جو اس وقت آپ کے سامنے ہے!

اگرچہ ہمارے پاس مکان نہیں صرف ایک کمرہ ہے جس کے زیر پناہ ہم خوش ہیں۔شہروز نے گاڑی اور بڑے مکان کو چھوڑ کر صرف ایک چھوٹے کمرے اور سائیکل پر قناعت کی، اس کے پاس درجنوں کی تعداد میں جوتے اور کپڑے نہیں پھر بھی وہ خوش ہے،

اور ہاں!

آپ نے پوچھا تھا کہ وہ کیا کرتا ہے!

پھر اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا کہ آپ کی نظروں نے اسے کبھی گھومتے ہوئے نہیں دیکھا، کرکٹ کھیلتے ہوئے نہیں دیکھا کیوں؟؟

آخر کیوں؟

میں نے بھی اس سے پوچھا کیوں؟ اور معنی خیز نظروں سے اس کے کپکپاتے

ہوئے ہونٹوں کو دیکھنے لگی۔

کیونکہ وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا ہے اور اسے بیچتا ہے اور مجھے خوش رکھنا چاہتا ہے اور ہر لمحہ میرے چہرے پر خوشی کے رنگ تلاش کرتا ہے۔

میں نے رشک کرتے ہوئے زور دے کر کہا تم کتنی خوش نصیب ہو۔

مگر صبا نے طنزاً کہا واقعی؟

میں اس کا مطلب سمجھ نہ پائی۔

آپ نے صحیح کہا، بے شک شہروز تنہا رہ کر بھی ہر رشتے کی کمی پوری کرنے کی اور میرے ہونٹوں پر مسکان لانے کی کوشش کرتا ہے، اتنی مشقت کرنے کے بعد بھی گھریلو کاموں میں میرا ہاتھ بٹاتا ہے، مگر کیا میں خوش ہوں؟ خوش نصیب تو ہوں مگر خوش نہیں!

تم خوش کیوں نہیں ہو؟ پھر میں نے ایک تلخ سوال کر لیا مگر مجھے تو احساس بھی نہیں تھا کہ اس کا جواب ان تلخیوں کو بوجھل کر دے گا''

صبا نے کہا میں نے یہاں آ کر نئے سہارے تو تلاش کر لیے مگر وہاں کی گلیاں، میلے، ٹھیلے، گھر تالاب ابھی تک تلاش نہ کر پائی، یہاں نہ تو گنگا کی موجیں ہیں اور نہ ہی یہاں کی شاموں میں وہ رونق ہے جو لکھنؤ کی شاموں میں ہوا کرتی ہے۔

اس کے بعد اس نے ایک سرد آہ بھری اور کہا ہم نے سوچا تھا کہ تمام تر قید و بند سے چھٹکارا حاصل کر کے خوشیوں کا ایک گھر بسائیں گے جس طرح آسمان دن میں ستاروں سے بے نیاز ہو جاتا ہے اسی طرح ہم بھی ہمیشہ کے لیے غموں سے بے نیاز ہو جائیں گے۔

لیکن!

وہ لمحہ کتنا غلط تھا جب میں نے یہ خواب بُنے تھے، کیونکہ اب سمجھ میں آیا کہ خوشیوں

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

کا تعلق صرف اپنی ذات اور اس سے وابستہ لوگوں سے نہیں ہوتا۔

بلکہ....

یہاں تو سب کچھ ہمارے یہاں سے مختلف ہے ہماری روایتیں الگ ہیں، رسمیں مختلف ہیں خوش ہونے کا دن اور وقت تک مختلف ہے۔

دھوپ اب زرد ہوگئی تھی بہت دور کے مکانات اور چیزیں آہستہ آہستہ دھند میں گم ہورہی تھیں۔سردیوں کی یہ شام خاموش اور اجنبی معلوم ہورہی تھی جب کہ میں اور صبا ایک دوسرے سے کافی حد تک مانوس ہو چکے تھے۔تب تک امی نے مجھے آواز دی اور دو چار باتیں بھی سنائیں کہ آج تو اس لڑکی نے پورا دن یوں ہی باتوں میں گزار دیا۔

اس کے بعد صبا نے آنا جانا تھوڑا کم کر دیا۔جب آتی مجھ سے پڑھائی اور دوستوں وغیرہ کی باتیں کرتی۔پھر وہ باتوں کی رو میں بہتے بہتے گنگا جمنا تک پہنچ جاتی اور ان ندیوں کے دوآبے میں بسے ہوئے قصبوں، مسجدوں، نمائشوں، میلوں کی دھوم دھام کی باتیں کرنے لگتی اور پھر کہتی ایک تم ہی تو ہو جو میری باتوں کو سمجھ لیتی ہو۔

مجھے امی کی باتوں سے دھیرے دھیرے اندازہ ہونے لگا تھا کہ اب مجھے ہاسٹل نہیں جانا ہے پہلے تو میں خوش ہوئی مگر جیسے جیسے دن گزرتے گئے وہاں کی یادیں مجھے رات کی تاریک زلفوں کی طرح اپنے اندر سمیٹتی گئیں۔

اور یکا یک مجھے اپنے اس سوال کا جواب مل گیا جو میں نے صبا کو دیکھ کر اپنے متعلق قائم کیا تھا۔

کیونکہ صبا کی طرح میرا بھی بچپن سے لے کر اب تک کا سفر سرحد پار انھیں خوبصورت راستوں سے طے ہوا تھا، ذہن کے گوشے میں وہیں کی یادیں بسی تھیں کیونکہ

اصل تو یہ ہے کہ جذبے صرف وہیں کا خاصہ ہوتے ہیں جہاں انسان پہلی بار آنکھیں کھولتا ہے۔

۱۵/اگست کی صبح صبح وہ میرے پاس آئی اور آنکھیں بند کر کے کہنے لگی آپ بھی آنکھیں بند کر کے سرحد کے اس پار دیکھیں، پندرہ اگست کا سورج کتنا شوخ لگ رہا ہے، ہوائیں زیر لب قومی گیت گنگنا رہی ہیں، کیا آپ ہوا کے گیت سن سکتی ہیں؟

محسوس کر سکتی ہیں؟

جیسا میں محسوس کر رہی ہوں۔

آپ ان کرنوں کو دیکھیے شاید کرنیں میرا پیغام پہنچا دیں! ابھی تک اس کی آنکھیں بند تھیں۔

اسی درمیان شہروز آ گیا اور اس کے ہاتھوں کو تھام کر زیر لب مسکرایا، مگر نہ تو وہ سن رہی تھی اور نہ ہی دیکھ رہی تھی۔کیونکہ اس وقت تو اس کے کانوں میں ہزاروں ترنگوں کی سنسناہٹ ابھر رہی تھی اور وہ سرحد کے اس پار پرچم، ترنگوں اور تقسیم ہوتی ہوئی مٹھائیوں کو دیکھ رہی تھی۔

اس نے شہروز سے کہا تم نے وعدہ کیا تھا، ہر خوشی دینے کا، مجھے محفوظ رکھنے کا، خدا کے واسطے آج مجھے سرحد کے اس پار لے چلو، دیکھو دھوپ ڈھل کر سرد ہوگئی ہے، میری آنکھوں میں ایک نہیں کروڑوں ترنگے لہرا رہے ہیں، ابھی شام ہو جائے گی، خدا کے لیے مجھے اس طرف لے چلو!

میں نے کہا صبا آنکھیں کھولو! شہروز بھی پریشانی کے عالم میں تھا اس نے بھی اس سے آنکھیں کھولنے کی منت کی، اس نے آنکھیں کھولیں اور کہا مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ سوچنے سمجھنے، دیکھنے، سننے یاد کرنے کی ساری صلاحیتیں ختم ہوگئی ہیں مجھے کچھ بھی یاد نہیں

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

سوائے.....

دن بہ دن صبا کی یہ حالت دیکھ کر شہروز بہت پریشان ہوا اور اس کے چہرے پر بھی محرومی کے آثار نظر آنے لگے اور صبا کی اس بے چینی کو وہ اپنے اندر بھی محسوس کرنے لگا، ویسے یہ بے چینی تو اس کے اندر پہلے سے ہی موجود تھی مگر اپنے کیے ہوئے وعدے کی تکمیل کے لیے ظاہر نہ کرتا تھا۔

بڑی زحمتوں کے بعد شہروز کو امید ہوئی کہ اس کے گھر والے اسے پناہ دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے اور اپنے شہر واپس جانے میں اسے کوئی خطرہ نہیں۔اس نے یہ خوش خبری صبا کو دی ،تب صبا کو اپنی محبت کا عکس اس کی آنکھوں میں اور گہرا ہوتا ہوا نظر آیا اور زندگی کے البم کی حسین تصویریں اس کے سامنے آنے لگیں۔

اسے محسوس ہوا کہ محبت کا ہر رنگ دلکش ہے چاہے وہ والدین سے ہو، احباب سے ہو، یا وطن سے یا محبوب سے!

آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے.....۔

سرد ہوائیں چل رہی تھیں، درختوں کی شاخیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں اور پرندے بے چینی سے شاخوں پر پہلو بدل رہے تھے۔وہ دونوں محسوس کر رہے تھے کہ وہ ایک جانی پہچانی منزل کی سمت قدم اٹھا رہے ہیں ، دل پر قابو تھا مگر جذبات بے قابو تھے۔وہ ایک گھر بسانے کا خواب بن رہے تھے اور شہروز کا وعدہ وفا ہونے والا تھا، لیکن آسمان کا غبار دیکھ کر دونوں نے کشمکش کے ساتھ کہا اس وقت نکلنا صحیح رہے گا؟ پھر متفق نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور یہ کہہ کر آگے کی طرف قدم بڑھایا کہ شاید گھر والے سرحد پار ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔

واقعی انتظار تو کر رہے تھے!

شہروز آگے بڑھا تو وہی لال بتی دیکھی ، یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی یہ کیسا اشارہ ہے یہ تو ہمیں رکنے والا اشارہ دے رہی ہے۔

رکاوٹ؟

رکاوٹ؟

رکاوٹ؟

پھر رکاوٹ؟

سرحد کے اس پار صبا نے اپنے والد کو دیکھا، مگر وہ استقبال کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے سرحد کے اس پار ہی رہنے کی دھمکی دینے کے لیے آئے تھے۔

چڑھتے ہوئے دریا کو تنکوں نے روک لیا، اس ستم ظریفی پر ستاروں کی آنکھیں بھی چھلک پڑیں اور آسمان کا غبار زمین پر اتر آیا۔سرحد کی فصلیں اونچی ہو گئیں ، ہوا میں گھری بے چین سرسراہٹیں بولنے لگیں ،امیدوں کا چاند ماضی کے گہرے پانی میں ڈوب گیا۔

وہ دونوں بوجھل قدموں سے الٹے پاؤں پیچھے کو لوٹے ،اندھیری سڑکوں پر آہستہ آہستہ چلتے رہے۔کئی روز بعد جب وہ لوٹے تو پورا قصبہ بے سکون اداسی میں ڈوبا ہوا تھا آہستہ آہستہ سرگوشیاں کرتے ہوئے انھیں اجنبی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

یہ کون ہیں؟

اس کمرے میں دوسرے کرایہ دار آ چکے تھے۔

صبا نے کہا اس میں تو ہم رہتے تھے، یہ تو ہمارا کمرہ ہے۔

مگر اس کی آواز ہوا میں بکھر گئی، کسی نے نہیں سنا!

☆☆☆

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

مکمل نامکمل

کلائیوں میں بھری چوڑیاں کھنکنے کے لئے اور ہونٹوں کے مدھر گیت مدہوش کرنے کے لئے برسوں سے بے تاب تھے مگر اس کی زندگی میں سب کچھ جوں کا توں تھا.....

آم سے بھری ہوئی ٹوکریاں اٹھا اٹھا کر سلیقے سے ٹھیلے پر رکھ کر امین ستانے کے لئے پیڑ کے نیچے لیٹ گیا۔ روز کی طرح اس دن بھی مبینہ نے جھاڑیوں کے پیچھے بکریوں کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور رسّیوں میں بل ڈالنے میں مصروف ہوگئی۔ پھر نہ جانے کب اس کی سریلی آواز میں ڈوبا ہوا مصرعہ ''کہاں سے ڈھونڈ کے لاؤں قرار کا موسم'' سنسان فضاؤں کو مدہوش کرنے لگا۔ جھاڑیوں کے پیچھے اسے سرسراہٹ محسوس ہوئی۔

ارے کون ہے؟؟ انگوٹھے میں دبی ہوئی رسّی چھوڑ کر وہ کھڑی ہوگئی۔

کون ہے بھیا بولتے کا ہے نہیں؟؟

تب تک پھنکارتا ہوا کالا سانپ آکر رسّیوں کے بنڈل میں لپٹ گیا۔ وہ حواس باختہ ہوکر چلانے لگی چند قدم پر لیٹے ہوئے امین کو آوازیں دینے لگی۔ بھاگنے کی کوشش کی تو دوپٹہ جھاڑیوں میں پھنس گیا اور وہ گر گئی، کلائیوں میں بھری ساری چوڑیاں چھناکے سے ٹوٹ کر کلائیوں کو زخمی کر گئیں۔ گوش سماعت سے محروم امین اپنے اردگرد کی آہٹوں اور بیوی کی چیخ وپکار سے بے نیاز لیٹا رہا۔

جھاڑیوں کے پیچھے سے پھر سرسراہٹ کی آواز آئی،

''ایک امید جاگی''

''بھیا کون ہے یہاں، خدا کے لئے مجھے بچالو''

ایک نوجوان جھاڑیوں کے پیچھے سے نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں موٹی لکڑی تھی جیسے ہی لکڑی سے سانپ کو مارنا چاہا وہ تیزی سے قریب ہی ایک سوراخ میں گھس گیا۔ اس نوجوان نے سائیڈ بیگ سے پانی کا بوتل نکال کر دیا۔

''آپ مطمئن ہو جائیں سانپ چلا گیا'' خدا کا شکر ہے میں قریب ہی تھا ورنہ.....

''ہاں بھیا آپ نہ آتے تو.....اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

جب مبینہ کی حالت تھوڑی بہتر ہوگئی تو اس نے نوجوان کا شکریہ ادا کیا۔

آپ یہاں کا ہے لیے آتے ہو بھیا؟؟

میرا نام شاداب ہے میں فائن آرٹ کا اسٹوڈنٹ ہوں۔

یہ کا ہوتا ہے؟؟

اوہ! میں پینٹ کر کے تصویریں بناتا ہوں۔ کئی روز سے میں یہاں پینٹنگ کے لیے آتا ہوں۔

''بہوت اچھا کام ہے'' مبینہ کو اس کے علاوہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ کیوں کہ اسے اس فن کے بارے میں کوئی معلومات بھی نہیں تھی کہ کوئی سوال کرے یا مزید تعریف کردے۔

مجھے لگتا تھا کہ میں اس ویرانے میں اکیلا ہوں لیکن آج کسی کے گانے کی آواز سنی تو اس کے تعاقب میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں، تھوڑی دور آیا بھی مگر پھر واپس چلا گیا۔

شاداب کی بات سن کر مبینہ نے کہا معاف کرنا بابو ہم ہی گا رہے تھے ہمیں کا معلوم کہ آپ یہاں اپنی پڑھائی کر رہے ہوں گے۔ ہماری وجہ سے آپ کو پریشانی ہوئی۔

ارے نہیں بھئی آپ کی آواز تو.....آپ کی آواز تو.....

لڑکھڑاتے ہوئے لہجہ میں شاداب نے کہا آپ کی آواز تو'' سماعت میں مٹھاس

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

گھولنے والی ہے''

تب تک جھاڑیوں میں پڑی ہوئی پازیب پر اس کی نظر پڑی ''ارے اس کے تو گھنگرو نکل گئے ہیں آپ انہیں جڑوالیجئے گا پازیب کو اٹھاتے ہوئے شاداب نے کہا''۔

چند لمحوں کے لیے مبینہ کو اپنی زندگی قابل رشک معلوم ہونے لگی اور بانسری کی تیز لے اس کے کانوں میں گونجنے لگیں اس نے آنکھیں بند کرلیں۔امین اس کے لئے موسموں کی شدت میں تحفظ کا سایہ فراہم کرنے والا تھا مگر اس سایہ کے عوض اسے بندگی کی طلب تھی لیکن عبدیت تو دل میں ہوتی ہے۔جو سر نیاز کو معبود کے سامنے خم کردیتی ہے۔

برسوں پہلے امین کی جاگیر بن کر وہ اس کے گھر میں آئی تھی۔وہاں ساری نعمتیں میسر تھیں سوائے ان نعمتوں کے جو اس کی فطری ضرورت تھیں۔مبینہ نے وہ سب قبول کرلیا جو لوگوں نے اسے دیا۔وہ امین کو اپنانا چاہتی تھی ،پوجنا چاہتی تھی اور ایمان لانا چاہتی تھی مگر.....

مبینہ کو خاموش دیکھ کر شاداب نے جانے کی درخواست کرتے ہوئے کہا''محترمہ میں چلتا ہوں''

مبینہ نے جھٹکے سے آنکھیں کھول دیں۔ہاں بھیا ہم بھی جارہے ہیں ہمارے میاں ہمارا انتظار کررہے ہوں گے۔

ہاتھ کے اشارے سے اس نے امین کو دکھایا، جو کہ اب نیند سے بیدار ہو چکا تھا۔

مبینہ کی بات پر شاداب کو حیرت ہوئی، جھاڑیوں کی وجہ سے وہ امین کو صاف طور سے نہیں دیکھ سکا اسی لئے آگے بڑھتے ہوئے اس نے کہا''ارے چل کر دیکھنا چاہیے آپ کے شوہر کو، جو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کی چیخیں نہ سن سکے۔

مبینہ نے سختی سے منع کیا۔''ناہیں آپ ان سے نہیں مل سکتے۔ہاں انھوں نے ہماری

چیخیں نہیں سنیں کیوں کہ وہ.....''اور وہ رسیوں کا بنڈل اٹھا کر جانے لگی۔جواب دینے کے بجائے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

کیا؟؟

بتائیں محترمہ.....کیا وہ؟؟؟؟

شاداب نے اس کی معمہ خیز مسکراہٹ اور شرمتی آنکھوں میں امڈنے والے آنسوں کے قطروں کو اسی لمحے حوصلوں کے سمندر میں تبدیل کردیا۔

شام کے منظر کو حسین اور معتبر بنانے والی شفق کی سرخی سے پوری فضا رنگین ہوگئی تھی ۔دیر سے لوٹنے کی وجہ سے امین اپنے مخصوص اشاروں سے مبینہ کو ڈانٹنے لگا۔پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے ایک ہاتھ جھاڑ کر دوسرا ہاتھ ہوا میں نچا کر اس نے گھور کر دیکھا تو مبینہ سہم سی گئی۔

امین نے ایک موٹے ڈنڈے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور ہاتھ کی چار انگلیوں سے سانپ کے پھن کی شکل بنا کر مبینہ کو بتایا کہ سانپ یہاں آیا تھا میں نے اسے مار دیا۔بتانے کے بعد وہ داد طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

اس حادثے کے بعد مبینہ نے اس جگہ پر جانا چھوڑ دیا۔شاداب نے کئی دن تک مبینہ کی بیٹھنے والی جگہ کے چکر لگائے ،چند ہفتوں بعد ایک پینٹنگ شاداب نے باغ کے مالک کو دی۔''جس میں ایک لڑکی جزیرے میں کھڑی ہے اس کے پیچھے لہراتی بل کھاتی ہوئی موجیں بہ رہی ہیں لیکن لڑکی کی نظریں طوفانی موجوں سے بے نیاز اپنی چوڑیوں پر مرکوز ہیں''۔

امین جب آم لینے کے لئے باغ کے مالک کے پاس گیا تو اس نے پینٹنگ امین کے حوالے کردی،اس نے دیکھے بغیر ہی اسے آم کی ٹوکری میں رکھ لیا۔

ارے ای تو بہوت سندر ہے۔کہاں سے لائے ہیں آپ؟؟؟مبینہ نے دیکھ کر کہا۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

امین کے اشارے وہ آج نہیں سمجھ سکی ''اری کا کہنا چاہ رہے ہیں صاف صاف بتایئے۔'' تب بھی امین کے اشارے کچھ واضح نہ کر سکے۔ایسا لگ رہا تھا کہ اس کی زبان کی طرح اس کے اشارے بھی گنگ ہو گئے تھے۔

دل کے تاروں کو چھیڑ دینے والی گنگناتی آواز، نیم خوابیدہ آنکھوں کو جگا دینے والی پازیب کی جھنکار، سماعت کو متوجہ کر دینے والی چوڑیوں کی کھنکھناہٹ کی اہمیت کا اندازہ اسے زندگی میں پہلی بار کب ہوا تھا؟؟؟؟

کاش وہ لمحہ ٹھہر جاتا.....اس لمحہ کو اپنی مٹھی میں لے سکتی.....ابھی کل ہی کی تو بات ہے جب اس نے.....

نہیں !نہیں !کل کہاں؟ بلکہ کئی روز ہو گئے جب وہ.....

دیوار پر لگی ہوئی تصویر دیکھ کر مبینہ یوں ہی ماضی قریب اور ماضی بعید کے درمیان معلق ہو کر رہ جاتی، کبھی کبھی تو ایسا ہوتا کہ وہ سرشاری کے عالم میں دوسری دنیا میں کھو جاتی، اور گزرتے ہوئے وقت کی گرفت سے آزاد ہو جاتی۔تصویر کے سامنے کھڑی مبینہ کو بیدار کرنے کے لیے امین اس کے قریب آ کر کبھی کبھار اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیتا اور اپنے آہنی وجود سے اپنا لوہا منوانا چاہتا جو صرف اس کے خالی پن کے بھرم کو قائم رکھنے میں مدد دیتا تھا۔

اس کی اس حرکت پر مبینہ چونک ضرور جاتی تھی اور اپنی بے خیالی پر خفت محسوس کرتے ہوئے کھسیانی سی ہنسی ہنس کر چلی جاتی۔

لیکن یہ خفت صرف چند لمحوں کے لیے ہوتی۔

☆☆☆

اندھیروں کا علاج

شب قدر جاگنے کی وجہ سے وہ دیر تک سوتی رہی۔ جب بھیک منگوں کی ٹولی باہر چبوترے پر آ کر ہانک لگانے لگی اے بیٹی جکوۃ (زکوۃ) دو، اے بیٹی صدقہ دو، خدا تم لوگوں کو سلامت رکھے، تب اس کی آنکھ کھلی۔اس نے آنکھ ملتے ہوئے ڈبہ میں سے پانچ پانچ کے سکے سب کی جھولی میں ڈال دیے۔اور ایک کرسی لے کر پھول کی کیاریوں کے پاس بیٹھ گئی۔ پانچ دس منٹ میں جب نیند کا خمار ٹوٹ چکا تو ''اداس نسلیں'' اٹھا کر پڑھنے لگی اور نوکرانی سیما کو حکم دیا کہ چائے بنا کر لے آئے۔

چائے کی پیالی خالی ہو گئی تب تک وہ صرف صفحات الٹتی رہی کیوں کہ اس کا ذہن بار بار بھٹک کر بھیک منگوں کی باتوں میں الجھ رہا تھا۔

دھوپ شدید تھی، پوربی ہوائیں چل رہی تھیں، بادلوں کے گولے آسمان پر اڑ رہے تھے تیز ہوا کے جھونکوں سے بھیک منگوں کی آنکھیں دھول سے بھری جا رہی تھیں۔ تنگ آ کر کہنے لگی ''آگ لگے اس آندھی کو''۔

اتنے میں بوندا باندی شروع ہو گئی۔۔

آگے جانے کا ارادہ ملتوی کر کے انہوں نے چبوترے پر کچھ دیر بیٹھنے کی اجازت فاطمہ سے لے لی۔اب اپنا اپنا گٹھر کھول کر ایک دوسرے سے پوچھ گچھ شروع کر دی کہ آج تم نے کتنا پایا اور کس کس نے کیا دیا۔اس میں سے ایک لڑکی جو تقریباً پچیس سال کی رہی ہو گی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں، ہاتھوں کی ساری نسیں ابھری ہوئیں اور دونوں پیر کے انگوٹھوں کے ناخن اجڑے ہوئے تھے۔ پانچ چھ مہینہ کی بچی کو دبکائے ہوئے تھی۔ کہنے لگی۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

''آج ہمار بیٹی کے بھاگ سے بہت کچھ ملا سو روپیہ اور لگ بھگ چار کلو چاول ایک کلو آٹا اور ایک جوڑی چپل ملا ہے۔

اور اس بچی کو اٹھا کر پیار کرتے ہوئے چھاتیوں سے لگا لیا۔انہیں میں سے ایک ادھیڑ عمر کی عورت نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''چھ مہینہ کی بچی کو اتنے گھام گرم میں لے کر گاؤں گاؤں گھومتی ہے کوئی مرج (مرض) ہو گیا تو سارا مانگا ہوا دوا دارو میں ہی لگ جائے گا''

تب کا کریں چاچی، یہ سب کچھ ہم کو اپنے گھر والے کے لئے کرنا پڑ رہا ہے آج وہ بہت کھوس ہو گا کیوں کہ لال کوٹھی سے کچھ پکوڑی کچوڑی بھی مل گئی ہے۔آج اس کے جہنم کو بھر دوں گی۔

کا ہے روجہ نہیں رکھتا کا؟

کہاں روجہ کہاں نماج؟ کہتا ہے کہ روجہ وہ لوگ رکھتے ہیں جنھیں پیٹ بھر سحری، افطار اور کھانا ملتا ہے۔اگر ہم روجہ رکھ لیں گے تو امیروں کے گھر میں جو آرام سے آفس میں بیٹھے رہتے ہیں مجدوری (مزدوری) کون کرے گا۔اور آج کل تو دن بھر گھر پہ ہی رہتا ہے۔ کہہ رہا ہے کہ مالک بہت کام کرواتا ہے ہم وہاں کام نہیں کریں گے۔ڈاکٹر کے یہاں گیا تھا تو ٹی بی کا مرج بتایا ہے۔

کا ہے تو بھی تو پورے دن اِدھر اُدھر دوڑ دوڑ کے مانگتی ہے تو اس میں محنت نہ لگتی کا؟

کا کریں چاچی اُو مرد ہیں ہم عورت دب کے رہنا ہی پڑے گا۔

تب تک ایک دوسری لڑکی بول پڑی جواب تک سکّوں کو گن کر دوپٹے کے کونے میں باندھنے میں مصروف تھی۔ارے بوا ہمارے میاں تو ہٹے کٹے ہیں پورا مہینہ ختم ہونے پر

ہے مگر میری مجال جو میں بول دوں کہ روزہ رکھ لو۔سیمنٹ پھکٹری میں کام کرتے ہیں آج تک ایک چَونی بھی نہیں دی کہ لو رابعہ تم بھی اپنے لئے کچھ خرید لو، خود ہی کماتے ہیں خود ہی اڑاتے ہیں۔میری کوکھ تو ابھی تک خالی ہے اور خدا سے یہی دعا ہے کہ خالی ہی رہے ورنہ اس بدنصیب کو کہاں تک مانگ مانگ کے کھلاؤں گی اور میرے اندر تو اتنی ہمت نہیں کہ مزدوری کروں۔

ارے پگلی! ایسا مت کہہ شادی کے بعد لڑکی کی سب سے بڑی تمنا یہی ہوتی ہے کہ اس کی کوکھ میں ہریالی آ جائے۔ایک بچہ ہو جانے پر تیرا میاں بھی کماسُٹ ہو جائے گا۔

فاطمہ پہلے سے مزید ڈسٹرپ ہونے لگی اس نے ناول بند کر کے میز پر رکھ دیا اور ہوا کے جھونکوں سے گرے ہوئے چھوٹے چھوٹے پودوں کو درست کرنے میں مصروف ہو گئی۔

بھیک منگوں میں سے ایک پوپلی عورت جو بینچ پر بے جان لیٹی تھی، پیاس سے اس کی زبان سوکھ گئی تھی۔شروع سے اب تک وہ فاطمہ کو ہی گھورے جا رہی تھی۔کہنے لگی ''اِئی دلہن قرآن سریف پڑھ رہی ہو تو ذرا تیز سے پڑھو ہم بھی سن لیں پورا دن مانگنے میں بیت جاتا ہے تلاوت کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔'' فاطمہ نے شرمندگی کو چھپاتے ہوئے بڑی بے باکی سے کہا۔''نہیں چاچی قرآن شریف نہیں پڑھ رہی ہوں، شرعی عذر ہے۔

کا کہہ رہی ہو سمجھ میں نہیں آیا۔

فاطمہ نے گرد و پیش کا جائزہ لیے بغیر دھڑلے سے جھوٹا اور مناسب بہانہ بنا دیا۔مگر اس کی ساس اتفاق سے پیچھے ہی کھڑی تھیں، انھوں نے سن لیا اور قریب آ کر کہا''بہو شرمندگی کو چھپانے کے لئے جھوٹ بولنا ضروری تو نہیں، تم دونوں روزہ نہیں رکھتے ہو مگر قرآن شریف کی تلاوت تو کر لیا کرو، یہ بابرکت مہینہ خوش نصیبوں کو ہی ملتا ہے اور یہ ناول

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

وغیرہ تو عام دنوں میں بھی پڑھ سکتی ہو خیر کچھ نہیں تو عشرہ کی دعائیں ہی چلتے پھرتے پڑھ لیا کرو۔

فاطمہ نے ساس کی بات اَن سنی کردی اور پوپلی بڑھیا سے پوچھنے لگی ''کیوں چاچی اس کڑی عمر میں آپ کو بھیک مانگنے کی کیا ضرورت پڑ گئی''؟

کیا کروں بیٹا کرم جلی ہوں ،اپنی کوئی اولاد نہیں ہوئی دیور کے بیٹوں کو گود لیا تھا، نکمے نکل گئے، جائداد ان لوگوں کے نام کردی، اب میرے ہاتھ میں کچھ نہیں بچا میں ان کے کسی کام کی نہیں، دھکے دے کر باہر نکال دیا اور بڑھاپے میں مزدوری بھی نہیں کرسکتی، پیٹ بھرنے کے لئے کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ بٹیا اگر پرانا دھرانا کپڑا ہو تو دے دو بچھونا سی لوں گی۔

بھیک منگوں کی باتیں سن کر فاطمہ کو محسوس ہوا کہ اس کا دل اندر سے پگھل رہا ہے، اسے اپنا وجود بے معنی لگنے لگا اس نے نوکرانی سے کہا اسٹور سے کپڑے اور ایک چادر نکال لائے تب تک اس نے ادھیڑ عمر کی عورت سے کہتے ہوئے سنا کہ مجھے تو بوری بھر پرانے کپڑے ملے ہیں انہیں بیچ کر اپنی بیٹی کے لئے عید پہ نیا کپڑا خرید لاؤں گی۔

ابھی نوکرانی نے کپڑے لاکر دیئے ہی تھے کہ گیٹ پہ سفید رنگ کی گاڑی آکر رکی ،عرفان گاڑی سے نکلتے ہی بھیک منگوں کو دیکھ کر بھنا گیا اور ترش رو ہوکر کہا تم لوگوں نے ''مانگنے'' کو ہی اپنا پیشہ بنالیا ہے''۔

سانولی لڑکی نے اپنی بیٹی کو بازوؤں میں سمیٹتے ہوئے نہایت تلخی سے جواب دیا'' کا کریں بھیا خدا نے اس پیشہ کو ہماری قسمت میں لکھ دیا ہے۔ کتنا بھی اس اندھیر سے باہر نکلنا چاہیں مگر ہمارا پلّو اس میں پھنس ہی جاتا ہے۔''

عرفان کی آواز سن کر فاطمہ پیچھے مڑی اور اس کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے

اندر لے گئی تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد عرفان کے سینے پہ سر رکھتے ہوئے کہا کیا خیال ہے؟ اگر بچے ہوئے پانچ روزے ہم بھی رکھ لیں۔۔۔

اور پھر دیوار کی طرف اشارہ کیا کہ اگر اس فریم میں قید منّا ہماری گود میں آجائے تو کتنا بہتر ہوگا۔ عرفان حیرت سے اسے دیکھنے لگا کہ یکا یک دو ناممکن باتیں نہایت جرأت کے ساتھ فاطمہ کے خیال سے نکل کر زبان تک آخر آئیں کیسے؟؟

ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہوگئی۔ بھیک منگوں نے اپنا گٹھڑا اٹھایا اور یہ کہتے ہوئے چلنے لگیں کہ کل راشن بٹے گا صبح ہی گھر سے نکلنا ہوگا۔

عرفان ان کے پاس کچھ نہ ہو کر زندگی کی ساری خوشیاں ہیں۔ دیکھو کس قدر خوش ہوکر رم جھم بارش کا مزا لے رہی ہیں اور ہمارے پاس ساری آسائشیں ہیں پھر بھی سناٹے ہمارے گھروں میں ڈیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ کلکاریاں ہمارے آشیانے سے کوسوں دور ہیں۔ اور میرے لئے نہ سہی حکم خداوندی سمجھ کر ہی یہ دونوں باتیں مان لو۔

فاطمہ تمہارے تئیں اپنی محبت کو کم نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ منا کے آجانے سے محبت کم ہو ہی جائے گی۔

فاطمہ نے کمرے کی لائٹ جلاتے ہوئے کہا!

''تمہاری شدید محبت کی حد یہیں تک ہے''؟

فاطمہ کو محسوس ہوا کہ سورج کی روشنی اپنے مرکز میں سمٹ کر رہ گئی ہے، دشت دل میں پوشیدہ زخم ہنسنے لگے اور اب اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

☆☆☆

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

افسانہ

تم بہت چھوٹے دل کے آدمی ہو!!!

کیوں کہ وہ جملے جو تم سننے کے عادی نہیں ہو، جب میں نے کہہ دیا تو تم آپے سے باہر ہو گئے، اور مجھے برا بھلا کہنے لگے، میں تمہیں انانیت کا شکار لگنے لگی، تم مجھ سے دوستی ختم کرنے کی بات کرنے لگے جو شاید ابھی ٹھیک سے ہوئی بھی نہیں ہے۔ دوستی کیا۔۔ ابھی تو ہم نے ایک دوسرے کو جانا بھی نہیں ہے۔

لیکن وہ جملے جو میں سننا نہیں چاہتی، تم فراخ دلی سے کہتے رہے اور میں ضبط کر کے سنتی رہی، ذرا سا بھی غصے کا اظہار نہیں کیا۔ شاید وہ جملے اوروں کے لیے خوشی کا باعث بنتے ہوں، لیکن میرے لیے ہرگز نہیں۔ اسی لیے میں تمہیں دقیانوسی لگتی ہوں، تم کہتے ہو یہ اکیسویں صدی ہے، بلاواسطہ اظہار کا زمانہ ہے، کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ۔۔۔

میں بار بار کہہ رہی ہوں کہ جیسا تم سمجھتے ہو میں ویسی نہیں ہوں، پھر بھی تم۔۔۔

کوئی کہتا ہے کہ تمہارے پاس دل نہیں، تم جذبات سے عاری ہو۔ کوئی کہتا ہے محبت کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ ایک دن عاجز آ کر تم بھی یہی کہنے لگو گے۔ بلکہ شاید تم اس سے بھی برا کچھ کہو گے۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ ہم اچھے دوست بن جائیں ایک دوسرے سے اپنی معلومات شیئر کریں، اپنی گفتگو علمی بحث ومباحثے تک محدود رکھیں۔

افففففف۔۔۔ اماں یہ تم کیا بکواس کرنے بیٹھ گئیں؟؟ خدا کے لیے مجھے معاف کرو۔

دیکھا! تم پھر بور ہونے لگے۔

اور نہیں تو کیا؟؟

''کل تم یہ کہہ کے میرا دماغ خراب کر رہی تھیں کہ تمہیں اس شخص سے محبت ہو گئی ہے جسے تم مہینوں سے نظر انداز کر رہی ہو، اور جب وہ تم سے مایوس ہو کر چلا گیا تو اب تمہیں اپنی زیادتی کا احساس ہو رہا ہے۔ اور آج اس طرح۔۔۔''

ہاہاہا۔۔۔ بے وقوف علی!! یہی تو اکیسویں صدی ہے۔

''انسان شدت سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن تم ہی بتاؤ کیا صرف خواہشات کی تکمیل ہی محبت ہے۔؟؟

تمہارے پاس میری الجھنوں اور پریشانیوں کو سننے کا وقت نہیں، ان کا حل تلاش کرنا تو بہت بڑی بات ہے۔ اور تم کہتے ہو کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے؟؟

اررے یار! ٹھیک ہے نہیں کہتا۔۔۔ جاؤ تم نکل لو اب، تم چاہتی ہو میں تمہارے آگے پیچھے چلوں، کئی مہینوں تک تمہاری خوشامد کرتا پھروں؟

''نہیں علی ایسا نہیں ہے۔''

تب کیسا ہے؟ بتائیں محترمہ؟ ''تم کو کرنا وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں، لیکن تم پیچیدہ راستہ اختیار کرنا چاہ رہی ہو۔''

''تم لڑکے شروع میں اپنی مخصوص عادتوں سے لڑکیوں کو اپنا اسیر کرتے ہو، اس کے بعد جب وہ تمہاری باتوں پر یقین کرنے لگتی ہیں تب تم ان سے بے نیاز ہو جاتے ہو۔ اور پھر جب وہ تم سے شکوہ کرتی ہیں تو تم کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتے ہو جس کی اذیت سے وہ زندگی بھر آزاد نہیں ہو پاتیں۔

تم سمجھ رہے ہو نا

میرا اشارہ کس طرف ہے؟؟

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

نہیں یار تمہاری کوئی بات مجھے سمجھ میں نہیں آ رہی ہے ۔تم صرف اتنا جان لو کہ میں تمہیں دھوکہ نہیں دوں گا۔ دیکھو میں کہہ رہا ہوں مان لو میری بات ''ورنہ تم ایک اور شخص کو کھونے کی طرف گامزن ہو''۔

''نہیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا مسٹر علی''

تم کتنی عجیب ہو۔۔''جاؤ تم عیش کرو'' میں بھی ان لڑکوں میں سے نہیں ہوں جو لڑکیوں کی جوتی کے نوک پر اٹکے رہتے ہیں۔

ٹھیک ہے بائے۔جیسی تمہاری مرضی۔

اررررے بائے کیوں کہا؟؟

تو پھر کیا کہوں؟؟

اچھا چلو بتاؤ تم نے کسی سے محبت کی ہے؟ یا کسی نے تم سے کبھی پیار کا اظہار کیا ہے؟

کیا میرے پاس دل نہیں ہے جو۔۔۔آج تک کسی نے اس طرح اظہار نہیں کیا جس سے مجھے یقین آئے۔

کیا تم نے معیار بنا رکھا ہے کہ کوئی تمہیں۔۔؟؟

ہاں شاید بنا رکھا ہے ۔ہر لڑکی بنا کر رکھتی ہے کہ اس کو چاہنے والا ایسا ہو، ویسا ہو، وغیرہ۔ورنہ یوں ہی تھوڑی مشہور ہے کہ لڑکیاں اپنے ذہن میں ایک آئیڈل بنا لیتی ہیں اور اگر اس کے مطابق عاشق یا شوہر نہیں ملتا ہے تو پوری زندگی اسے قبول نہیں کر پاتی ہیں۔مجھ سے ایک شخص نے ایسی محبت کی جس طرح میں چاہتی تھی۔

ارے واہ۔۔کیا بات ہے؟؟ بتاؤ یار جلدی کیسے کیا اس نے۔ plz plz plz plzzzzz جلدی بتاؤ؟؟

اس نے کبھی اظہار نہیں کیا صرف اس کی باتوں سے مجھے یہ احساس ہوتا رہا کہ میں بالکل ایسی ہی محبت تو چاہتی ہوں ۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا برسوں سے کی ہوئی تمنائیں پوری ہو رہی ہیں، لیکن مجھے اس شخص سے محبت نہیں ہوئی تھی نہ ہی میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ وہ واقعی مجھ سے محبت کرتا ہے یا نہیں ۔بعض دفعہ میں بھی کچھ اچھی باتیں چند اچھے جملے اس کی تعریف میں کہہ دیا کرتی تھی یہ سوچ کر کہ اسے میں خود پسند نہ لگوں، اس سے بات کرتے ہوئے مجھے کسی کا ڈر یا خوف نہیں تھا میں آرام سے اس کا ذکر اپنے دوستوں اور گھر والوں سے کرتی تھی۔ ورنہ عام طور پر تو لڑکوں سے زیادہ بات کرنے پر گھر والے یا دوست اعتراض کرتے ہیں۔ میں خود بھی کسی لڑکے سے بات کرتے ہوئے بہت محتاط رہتی ہوں، سامنے والا کوششیں کرتا رہ جائے لیکن بے تکلف ہونے کی گنجائش نہیں دیتی ۔لیکن اسے میں اپنی تصویریں تک بھیج دیتی تھی، بلکہ ہر روز میری ایک نئی تصویر اس کے ان باکس میں ہوتی تھی جسے دیکھ کر وہ کہتا ''بہت پیاری لگ رہی ہو/ تمہاری بچکانہ حرکتوں پر پیار آ رہا ہے/ خدا نے تمہارا ناک نقشہ بہت سنوار کر بنایا ہے۔ یہ سب سن کر میں بھی بچوں کی طرح کھل جاتی، شاید اس کی جگہ کوئی ہم عمر تعریف کرتا تو کوئی دوسرا ردعمل ہوتا۔ ہر دوسرے گھنٹے پر اس کا میسیج آتا کہ ''تمہیں بھوک لگ گئی ہوگی کچھ کھا لو''۔ وہ اکثر مجھے چڑانے کے لیے میرا نام لے کر پکارتا اور کہتا ''کہاں چھپ کر بیٹھی ہو، اکیلے اکیلے ضرور کچھ کھا رہی ہوگی، دیکھو میرا حصہ بچا دینا ورنہ چھوڑوں گا نہیں، فائن لگا دوں گا''۔

مجھے وقت نہیں ملتا تھا کہ میں اور کسی سے بات کروں یا کسی اور کے بارے میں سوچوں ۔کبھی کبھی پڑھنے کا بہانہ بنا کر بات ملتوی کر کے ادھر ادھر دوستوں کے کمروں میں چلی جاتی تھی ۔اس کی ایک خاص بات یہ تھی کہ پڑھائی کے لیے سخت رویہ اختیار کرتا اور کبھی کبھی آئس کریم اور چاکلیٹ کے لالچ دلاتا۔میری چھوٹی چھوٹی کامیابیوں کو

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

celebrate کرتا، میری حوصلہ افزائی کرتا۔اگر مجھے کوئی تکلیف ہوتی تو بڑی شفقت سے تسلیاں دیتا، میں دوستوں سے بحثیں کر کے آتی تو مجھے سمجھاتا کہ انھیں معاف کر کے پھر سے دوستی کرلو، دن بھر کالج میں ہونے والی ساری مشغولیات سے اسے باخبر کرتی جس میں زیادہ تر میری نادانیوں کا ذکر ہوتا جس پر وہ خوب ہنستا اور کہتا تم ایسی ہی رہنا، تم نادان ہی اچھی لگتی ہو۔ ہر صبح وہ مجھے ایکسرسائز، دوا، ناشتہ اور لائبریری میں بغور پڑھنے اور فالتو بحث و مباحثہ سے دور رہنے کی ہدایتیں کرتا۔ پھر دوپہر میں لنچ کرنے کی تاکید کرتا اور شام میں میرے لوٹنے کا انتظار کرتا۔اور یہ سارے میسجز میں اکثر شام میں ہی دیکھ پاتی اور پھر نہایت ہی شرارت سے بتاتی کہ ان ساری ہدایتوں میں سے صرف دو ایک پر ہی عمل کر سکی۔ وہ صرف ''واہ'' کہنے پر اکتفا کرتا۔

اسی درمیان ایک دن مجھے اس کے ماضی کے متعلق ایک ایسی بات معلوم ہوئی جس سے اس کی شخصیت میری نظر میں مشتبہ ہوگئی، کیوں کہ اس کا جرم بڑا سنگین تھا۔ مجھے حد درجہ اس سے نفرت ہوئی۔ میں نے سوچا اب کبھی اس سے بات نہیں کروں گی، پورے دن میں نے ان باکس چیک نہیں کیا۔لیکن شام کو اس کے پیار سے لبریز میسجز اس قدر تھے کہ مجھے اپنی خاموشی توڑنی پڑی۔ پھر بھی میں نے بڑی بے دلی سے بات کی، وہ میری تبدیلی کو بھانپ گیا اور پوچھنے لگا کہ آج تم اس قدر اکھڑی ہوئی کیوں ہو، میں نے وجہ بتا دی، اس سے دریافت کرنے پر کھلا کہ اس میں غلطی کسی اور کی تھی لیکن جرم کا سزاوار وہ ٹھہرا تھا، اسی لیے مجھے اس سے ہمدردی ہوئی۔ میری یہ ادا اسے بہت اچھی لگی، اس نے میسج کیا کہ ''مجھ سے آج تک کسی نے اس مسئلہ پر بات نہیں کی، نہ ہی میں نے کسی کو کچھ بتایا۔لیکن آج تم نے پوچھا تو ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے دکھتے ہوئے زخم پہ مرہم رکھ دیا ہو'' یقین مانو اپنی زندگی کی اس غلطی کو میں بھلانا چاہتا ہوں اسی لیے بلاوجہ خود کو مصروف رکھتا ہوں۔لیکن تمہاری شکل

میں خدا نے مجھے ایک نعمت عطا کر دی۔

رفتہ رفتہ مجھے یہ بات پریشان کرنے لگی کہ اتنی بڑی غلطی کے باوجود یہ شخص مجھے برا کیوں نہیں لگا؟؟ کیا میں اس سے۔۔۔۔

پھر میں نے سوچا'' نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔وہ تو میرے باپ کی عمر کا ہے۔ایک بار میں نے اس سے کہا بھی تھا کہ آپ کی باتیں ایسی مزیدار ہوتی ہیں کہ عمروں کا فرق بے معنی ہو جاتا ہے۔اس نے بھی کہا کہ تم بھی بہت دلچسپ باتیں کرتی ہو، تم سے بات کرتے ہوئے وقت کیسے گزر جاتا ہے اندازہ ہی نہیں ہوتا۔ایک دن ایسا ہوا کہ خلاف معمول شام میں اس کا کوئی میسج نہیں آیا، مجھے بہت عجیب لگا لیکن میں نے کچھ نہیں کہا، صرف اداس سی رہی، وہ بار بار اداسی کی وجہ بتانے پر اصرار کرتا رہا۔۔حیرت تو تب ہوئی جب سوتے وقت خوہ مخواہ میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ میرے آنسوؤں کو وہ برداشت نہ کر سکا، میرے ساتھ ساتھ اس کی بھی پلکیں بھیگیں، اس نے آئندہ کبھی نظر انداز نہ کرنے کا وعدہ کیا۔

ایک بار میں نے اسے بتایا تھا کہ مجھے اشعار بہت پسند ہیں، میں فرصت کے اوقات میں اکثر شاعری پڑھ کر بہتر وقت گزارتی ہوں اس نے کہا'' مجھے بھی اپنی پسند کے کچھ اچھے اشعار بھیج دیا کرو۔'' میں فوراً اس کی بات پر عمل کرنے لگی۔ایک دن مجھے کسی کام سے دیر رات تک جاگنا تھا، وہ بھی میرے ساتھ ساتھ جاگتا رہا، اکثر ہی ایسا ہوتا کہ میری آنکھیں بند کروا کر ہی وہ لیٹتا۔۔اور میں شرارتاً کچھ نہ کچھ چھیڑتی رہتی۔ایک دن وہ مجھ سے پہلے بلکہ سرِ شام ہی سو گیا، میں نے اسے بہت سارے اشعار بھیجے، رات کسی پہر جب اس کی آنکھ کھلی، اس نے اشعار پڑھ کر لکھا کہ'' ان کا مطلب مجھے سمجھ میں آ گیا''۔

'' مجھے لگا کہ میں کسی اور کے پاس بھیج رہی ہوں جو شاید گونگا اور بہرا ہے'' میں نے غصے میں

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

کہا۔اور کہنے کے بعد بہت پشیمان ہوئی۔

لیکن مجھے حیرت ہوئی کہ اس نے نوک جھونک کرنے کے بجائے لکھا کہ ''مجھے کہہ لینے دو جو میں کہنا چاہتا ہوں۔''

بنا سوچے سمجھے میں نے کہہ دیا ''بالکل کہیں''۔

''تم پہ بہت پیار آرہا ہے۔کاش تم میرے سامنے ہوتی تو۔۔۔۔اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

میں نے منہ پھاڑ کر ہاہاہا کرتے ہوئے کہا۔آپ تو ہمیشہ یہی کہتے ہیں اسی لیے میری عادتیں بگڑتی جارہی ہیں اور سارے دوست بھی مجھے منہ پھٹ کہنے لگے ہیں۔

لیکن ایک دن آخر اس نے اظہار کر ہی دیا۔۔میں خاموش رہی۔۔وہ رفتہ رفتہ میرے دل سے اترنے لگا۔۔اس کے بعد اس نے بھی بات کرنی کم کر دی۔۔چونکہ اس سے روز بات کرنے کی عادت پڑ گئی تھی اس لیے اس کے میسج کا انتظار رہتا۔جب وہ میسج نہیں کرتا تو میں پیچ وتاب کھا کر رہ جاتی۔ایک دن میں نے سوچا یہ بات یقینی ہے کہ میرے اس کے درمیان محبت نہیں ہوسکتی ہے!

اس کی ذہنی تسکین کے لیے وہ جملہ کہہ دینے میں کیا حرج ہے جو اس نے مجھ سے کہا تھا۔اس طرح بات برابر ہوجائے گی، پھر انجام کی پروا کیے بغیر میں نے آخر کہہ ہی دیا۔

اس نے جواب دیا ''میں بتا نہیں سکتا کہ میں آج کتنا خوش ہوں۔آج سے پہلے کب اتنا خوش ہوا تھا یاد نہیں، ایسا لگ رہا ہے آج صرف میری قسمت عروج پر ہے''

مجھے اس سے نفرت ہونے لگی تھی ۔لیکن میں یہ سب کچھ بھول کر اس کی اچھائیوں کو یاد کر کے ایک اچھے انسان ہونے کے ناتے اس سے تعلقات بحال رکھنے پر آمادہ ہوگئی۔لیکن اس کا رویہ بدلتا گیا۔پہلے میرے ان باکس میں میسج کی تعداد زیادہ ہوتی

تھی اور اب سینٹ باکس میں زیادہ رہنے لگی۔میں کبھی اسے ناراض سمجھ کر مناتی تو کبھی خود ناراض ہوتی، لیکن اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ایک دن باتوں ہی باتوں میں میری ایک دوست نے کہا کہ ''محبت کا اظہار کر کے مرد آزاد ہو جاتا ہے اور عورت اس کی اسیر۔مرد ہر عمر میں لڑکی سے ایک ہی رشتہ بنانے کا خواہاں ہوتا ہے اور وہ ہے ''عشق''اگر کئی لڑکیوں سے بھی اس کا تعلق ہو تو وہ سب سے یہی چاہے گا۔جو لوگ یہ مکاری کرتے ہیں کہ تم میری بہن جیسی ہو یا میری بیٹی جیسی یہ سب غلط ہے، بہت تلاش کرنے پر دو چار افراد ہی ایسے ملیں گے''۔

''میرے تو دماغ کی گھنٹی بج گئی کہ کہیں میرے ساتھ تو ایسا نہیں ہے؟؟

علی تم سن رہے ہو نا؟؟ کہیں سو تو نہیں گئے؟؟

ہاں بھئی بتاتی رہو۔۔میں لیپ ٹاپ پر اپنا کام کر رہا ہوں اور تمہاری باتیں بھی۔۔۔

''پھر میں اس سے دور ہونے کی کوشش کرنے لگی، اور اس نے بھی مجھے پہلے کی طرح ہر وقت تلاش کرنا چھوڑ دیا۔بظاہر تو میں خود کو یہ تسلی دیتی رہی کہ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن دل و دماغ میں ہمیشہ اسی کا خیال رہتا، ایسا نہیں تھا کہ وہ مجھے نظر انداز کر رہا تھا بلکہ اس کی مصروفیات ہی بہت زیادہ تھیں، صبح سے شام آفس اور گھر پر بچوں کی ذمہ داری وغیرہ۔اور وہ مجھے بتا کر جاتا تھا کہ وہ شام میں دیر سے لوٹے گا۔مجھے یہ خیال آنے لگا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اپنے ماضی کی الجھنوں کو بھلانے کے لیے خود کو مصروف رکھنے کی خاطر مجھے استعمال کر رہا ہے؟؟اس خیال سے مجھے اس سے اور نفرت ہونے لگی۔

اب ہماری باتیں بہت ہی کم ہوگئیں، جب تک وہ کوئی میسج نہ کرتا میں بھی نہیں کرتی، مگر اسے آن لائن دیکھ کر کشمکش میں رہتی، اس امید کے تحت مسلسل موبائل چیک کرتی رہتی کہ اس کا میسج آئے اور جب میسج آجاتا تو جواب نہ دینے میں خوشی محسوس کرتی، لیکن یہ

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

خوشی زیادہ دیر تک نہ رہ پاتی، کیوں کہ وہ پہلے کی طرح میرا جواب نہ ملنے پر دیوانوں کی طرح پریشان ہو کر مجھے ادھر ادھر تلاش نہیں کرتا بلکہ ایک دو میسج کر کے خاموش۔ پھر میں نے ایک نیا طریقہ یہ اپنایا کہ اسے کوئی میسج کر کے چپ ہو جاتی اور وہ پریشان ہو کر مجھ سے وجہ پوچھتا رہتا اور میں نہیں بتاتی۔ پھر دھیرے دھیرے ایسا ہوا کہ جب تک میں پہل نہ کروں اسے میرا خیال ہی نہیں آتا، کئی کئی دن صرف سلام دعا کے سوا کوئی بات نہیں ہوتی۔

بہت دنوں کے بعد ایک دن اس نے کہا ''تم بدل گئی ہو، کیا ہوا کیوں ناراض ہو، شاید میرے بات نہ کرنے پر ناراض ہو گی، کیا میں برا لگنے لگا ہوں؟؟

میں نے نہیں کہنے کے سوا کچھ جواب نہ دیا۔

تب اس نے بتایا کہ ''میں ان دنوں بہت پریشان رہا، کبھی فرصت ہوئی تو تمہیں سب کچھ بتاؤں گا۔ لیکن ان سارے دنوں میں میری زندگی کا ایک لمحہ بھی ایسا نہیں جب میں نے تمہیں یاد نہ کیا ہو۔

میں نے جواب دیا ''مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔''

پھر کہنے لگا تمہیں آخر ہوا کیا ہے، مجھے برا بھلا ہی کہہ لو، مگر کچھ تو بولو، تمہاری خاموشی مجھے پریشان کر رہی ہے، میری وجہ سے تمہیں تکلیف ہوئی ہو تو نفرت کر سکتی ہو،

میں نے کہا میں کنفیوژ ہوں، خود نہیں سمجھ پا رہی ہوں کہ کیا ہوا ہے؟ شاید بہت زیادہ اداس ہوں، اور نفرت کرنا مجھے آتا نہیں۔

سنو! تم ہنسنے مسکرانے کے لیے بنی ہو، اداس مت رہا کرو۔

''کیا تم مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتی''؟؟

نہ چاہتے ہوئے بھی میری زبان سے نکل گیا ''کاش نہ چاہتی''۔

''تم نہیں جانتی کہ تم نے مجھے کتنی خوشی دی ہے۔ پلیز مجھے کہہ لینے دو کہ تم بہت

اچھی ہو، زندگی سے بھی زیادہ اچھی۔''

اس کے بعد جب بھی اس کا میسج آتا میں کوئی کڑوا جواب ہی دیتی، یا پھر مذاق اڑاتی، اس پر یہ ظاہر کرتی کہ مجھے اس کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن اندر ہی اندر مجھے کوئی شئے بے چین رکھتی، ہر وقت نظریں موبائل پر رہتیں۔

روٹھنے منانے کی اس کیفیت میں کئی مہینے گزر گئے اور اس نے بالکل ہی رابطہ ختم کر لیا۔ ہر لمحہ خود کو قابو میں رکھنا چاہتی لیکن اچانک اس کی یادوں کا ایسا جنون طاری ہوتا کہ ساری ناراضگی بالائے طاق رکھ کر اسے ایک ساتھ بیسیوں میسج کر ڈالتی، اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں۔ طرح طرح سے بچکانا دھمکیاں دیتی کہ ''جواب دیں ورنہ کھانا نہیں کھاؤں گی، رات بھر ٹی۔ وی دیکھوں گی، پڑھائی نہیں کروں گی وغیرہ۔ اکثر جب میں دوستوں کے درمیان ہوتی اور وہ کبھی کسی بات پر اپنائیت کا اظہار کرتیں تو خود بخود اس کی یاد آجاتی۔ میں سوچنے لگتی کہ کیا اس سے میرا رشتہ اتنا لامحدود ہے؟؟ والدین کی شفقت، دوستوں کی محبت اور حریفوں کی نوک جھونک ایک ہی شخص میں کیسے نظر آسکتی ہیں؟؟ اور کبھی کبھی ایک عاشق کا انداز بھی۔۔ ایک دن خدا جانے کس جذبہ سے سرشار ہو کر میں نے اس سے کہہ دیا۔۔۔۔

اس کا جواب سننے کے بعد میں نے ہر رشتہ اس سے ختم لیا۔۔ وہ انسانیت کے رشتے کے لائق بھی نہیں رہا۔۔ وہ میری نظروں میں صرف ایک مرد تھا۔۔

تم کچھ بول کیوں نہیں رہے ہو؟ کہیں سو تو نہیں گئے؟

ہاں محترمہ! علی بہت پہلے سو چکا ہے یہ کہہ کر کہ اتنے لمبے لمبے میسیجز اس سے نہیں پڑھے جا سکتے۔

''تو تم کون ہو؟؟

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

''میں علی کا دوست ثاقب ہوں۔''

''یار تم تو ۲۲ویں صدی کی ٹھہریں۔''

کیوں؟؟تم کون ہوتے ہوایسا کہنے والے؟؟ خاموش رہو۔اور علی کمبخت سو کر اٹھے تو اس سے کہنا مجھے فون کرے۔

محترمہ آپ ناراض کیوں ہورہی ہیں۔آجکل تقریباً سارے ہی لوگ دوست کی باتیں دوستوں سے شئیر کرتے ہیں۔اور میں تو آپ کو خوب جانتا ہوں،علی نے جب تصویر دکھائی تو میں اس کی قسمت پر رشک کرنے لگا۔ایسے میں آپ کا چیٹ پڑھ لیا تو اس میں کون سی آفت آگئی،اور علی نے خود ہی تو اپنا فون اور لیپ ٹاپ میرے حوالے کر دیا ہے تا کہ آپ سے باتیں کروں۔

ذلیل لڑکے خاموش ہوگے یا اور کچھ کہنے کے لیے بچا ہے؟؟

جی !!!صرف اتنا کہنا ہے کہ میں تمہیں علی سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔ایک اور بات یہ کہ تم نے رات کے ۱۲ بجے سے کہانی سناتے سناتے صبح کے ۴ بجا دئے۔تمہیں تو افسانہ نگار ہونا چاہیے۔قوت متخیلہ کمال کی ہے اور زور بیان بھی خوب۔خیر یہ قصہ رائیگاں نہیں جائے گا۔میں تمہارے اس من مانے قصہ میں ایک متحرک کردار وضع کر کے پلاٹ کو ذرا منطقی تسلسل سے مربوط کر کے افسانہ کی ہیئت میں ڈھال دوں گا۔

☆☆☆

(انشاء،کلکتہ،دسمبر 2015)

بے خوابیاں جوان ہیں جس سمت دیکھئے

ستمبر کا آدھا مہینہ گزر چکا تھا اس کے باوجود اس دن سورج شعلے اگل رہا تھا ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ سورج سوا نیزے پہ آ گیا ہے نیلے آسمان کی رنگت جھلس کر تانبے کے رنگ کی ہوگئی تھی،زمین کا سینہ خشک ہو رہا تھا،گرلس کالج کی نازک اندام لڑکیاں جو کبھی دوسو گرام Cosmetic چہرے پہ Apply کئے بغیر حرم (گرلس ہاسٹل) سے باہر قدم نہ رکھتی تھیں وہ پیروں میں سلیپر اور خود کو کالے گاؤن میں چھپائے بھیڑ بکریوں کے مانند جھنڈ در جھنڈ ہاسٹل سے نکل رہی تھیں اور بلند آواز میں نعرے لگاتے ہوئے وی سی لاج کی طرف رواں دواں تھیں۔

یہ پر آشوب منظر دیکھ کر ثناء کو کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے کیوں کہ اس رات وہ ہاسٹل میں نہیں تھی بلکہ کسی دوست کے گھر گئی تھی اسلئے رات میں وقوع پذیر ہونے والے حادثہ سے بے خبر تھی جو کہ تقریبا ایک افواہ تھی مگر آگ کی مانند پورے ہاسٹل میں پھیل گئی تھی لہذا اس افراتفری کو دیکھ کر ثناء نے اپنی ایک دوست کے پاس فون کیا اور اس نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا یہ کیا ہوگیا ہے؟اس نے غصے کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا تم ایسے ہی دنیا ومافیھا سے بے خبر رہتی ہو تمہیں کیا مطلب کیا ہو رہا ہے۔

ارے بتاؤ تو سہی کیا ہوا ہے؟

ثناء نے پوچھا!

ہماری حق تلفی ہوئی ہے یہ خبر وی سی تک پہنچنی چاہئے،کیا ہم ایسے ہی صم بکم بنیں رہیں؟؟ہم چپ نہیں رہ سکتے ہمیں انصاف چاہئے اور اسی انصاف کا تقاضا کرنے ہم وی

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

سی لاج جارہے ہیں اس وقت اس کی زبان سے نکلے ہوئے جملے نفرت اور انتقام کی آگ میں جھلسے ہوئے تھے۔

خیر ایک ہی لمحے میں ساری ہاسٹلرز وی سی لاج کے سامنے جمع ہوگئیں ان کی آواز میں شعلوں کی لپک تھی اور بے رحمی سے توڑ پھوڑ کر رہی تھیں اور ان کے سامنے انتظامیہ کی سانسیں بند تھیں ہنگامے کو فرو کرنے کے لئے چیختے چیختے ان کی زبانیں خشک ہو چکی تھیں حلق میں کانٹے چبھنے لگے تھے اس آگ برستی فضا کو سرد کرنے میں وہ ناکام ہوگئے تھے آخر کار پورا دن گزر گیا اور شام ہوگئی حالات پر قابو کرنے کے لئے Sine Die کا اعلان کر دیا گیا۔

یہ سن کر سارے اسٹوڈنٹس کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں لیکن اگلے ہی لمحے وہ مطمئن ہوگئے کیوں کہ ان کے سفر کا انتظام کر دیا گیا تھا لیکن Sine Die کی خبر سن کر ثناء بہت خوش تھی کیونکہ وہ چاہتی تھی کسی طرح چھٹی ہو جائے وہ عید گھر پر ہی منائے وہ اکثر یہ سوچ کر افسردہ ہو جایا کرتی تھی کہ اس سال گھر والوں سے دور رہ کر کیسے عید کرے گی کیونکہ ایسا اتفاق پہلی بار ہوا تھا وہ ہر وقت دوستوں سے بھی کہتی رہتی کہ یار اس بار کیسی خشک عید ہوگی؟؟ میرے گھر والے میرے کزنز میرے ساتھ نہیں ہوں گے۔

چھٹی کی خبر سن کر اس نے فوراً گھر پہ فون لگایا! پھر اس نے کئی بار ٹرائی کیا فون نہ لگنے پر وہ ذرا سا گھبرائی لیکن اسی درمیان فون کی گھنٹی بجنے لگی!

جی ابو! میری یونیورسٹی بند ہوگئی ہے میں گھر جارہی ہوں۔

اس نے اپنے ابو سے کہا جو کہ اس وقت سعودی عرب میں رہتے تھے، اس نے بڑی خوشی اور اکسائٹمنٹ سے بتایا کہ ہمارے جانے کے لئے Special ٹرینیں ہیں اور میں گروپ کے ساتھ چلی جاؤں گی کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔

لیکن ابو کا جواب سن کر اسے کافی حیرت ہوئی کیوں کہ وہ کہہ رہے تھے کہ گھر مت جاؤ چھٹیاں یہیں پر گزار لو خواہ مخواہ سفر میں پریشان ہو جاؤ گی، ثناء صفائی پر صفائی دے رہی تھی کہ کوئی پرابلم نہیں ہوگی لیکن وہ نہیں مانے۔

ٹھیک دس منٹ بعد اس کے کزن کی کال آئی ان کی کال آنے پر تو وہ اور زیادہ Schocked ہوئی کہ جو کبھی یاد نہیں کرتے وہ آج کیسے؟

انہوں نے بھی یہی کہا کہ گھر مت جاؤ اگر تمہارا دل زیادہ گھبرائے تو میرے پاس آجانا ان کی باتوں سے ثناء پوری طرح سمجھ چکی تھی کہ ضرور کوئی بات ہے جو اس سے پوشیدہ رکھی جارہی ہے۔ اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے خیر دل بہلانے کے لئے ٹی وی روم چلی گئی۔

اتفاق سے سب نیوز چینل لگائے بیٹھے تھے نیوز دیکھ کر تو وہ حواس باختہ ہوگئی یہ چھٹی اور سرشاری اس کے لئے کافی مہنگی پڑی، اس کا چہرہ فق ہوگیا ہونٹوں کی سرخی میں نیلا ہٹ دوڑ گئی۔

کیوں کہ وہ گھر نہیں جاسکتی تھی گھر پر عید منانے کا خواب ریزہ ریزہ ہوگیا اب تو اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ کبھی گھر پر عید منا سکے گی یا گھر والوں اور پورے خاندان کے ساتھ کب عید کرے گی کیوں کہ نیوز میں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی کہ اس کے شہر کی آب وہوا تبدیل ہو چکی ہے شہر کے پورے ماحول میں بھیانک فسادات کی سرپھری آندھیاں چل رہی ہیں وہاں کی فضا صرف بارود اور کرفیو کی آغوش میں سانس لے رہی ہے پورا شہر سہما ہوا ہے گھروں میں لوگ محبوس ہو کر ماحول کے پرسکون ہونے کی دعائیں کر رہے ہیں اس نے فوراً ٹی وی بند کر دیا۔

اس قیامت نما ہنگامے میں جو لوگ بدقسمتی سے گھر سے باہر تھے وہ وحشی درندوں

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

کا نوالہ بن چکے تھے ان درندوں کی درندگی کا ایک منظر دیکھ کر تو سارے لوگ دہشت زدہ ہو گئے ان کی چیخیں نکل پڑیں ایک معصوم جو بطور مہمان دوسرے شہر سے کسی کے گھر آیا تھا اس فساد کی زد میں آ گیا اور چلچلاتی دھوپ میں آگ اگلتی ہوئی زمین پر الٹا لٹا کر سفاک ملٹری نے اپنے جوتے سے اس کا سر کچل دیا اور بے رحمی سے اس کا لہو بہنے لگا اور ملٹری والا اپنی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا ''ہامی لے افنو دیس کو مسلمان باٹا کھالی گراؤ نچھو'' یعنی ہم اپنے دیس کو مسلمانوں سے خالی کرائیں گے۔)

اس بھیانک منظر کو دیکھ کر ثناء کا بھائی جاذب چیخ پڑا امی امی پلیز یہاں سے چلئے بہت ڈر لگ رہا ہے کہیں ہمارے ساتھ بھی ایسا نہ ہو۔

ااس بغاوت کی آگ اس چنگاری سے بھڑکی تھی جو برسوں پہلے ماؤوادیوں نے امیروں اور غریبوں میں برابری کے نام پر بھڑکائی تھی مگر حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اس بغاوت کی صدا امیر وغریب میں برابری، ماؤوادیوں اور عوام کے جھگڑے سے نکل کر ہندوؤں اور مسلمانوں پر آ کر ٹھہر گئی تھی، ہندو مسلمانوں پر اور مسلمان ہندوؤں پر وار کر رہے تھے چونکہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور مسلمانوں کا پاور بھی کم ہو گیا تھا اس لیے یہی شکست خوردہ تھے، باغیوں نے چن چن کر صاحب حیثیت مسلمانوں کو برباد کر کے ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا جو بچے کچے تھرڈ کلاس کے لوگ تھے ان کو برباد کرنا تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا ان ظالموں کی دلی خواہش پوری ہو رہی تھی ان کا منشا بھی یہی تھا کہ عوام میں پھوٹ ڈال کر ان میں جنگ کی آگ بھڑکا دی جائے اور سارا نظام منتشر کر کے خود پورے ملک پر حکومت کریں یہاں تک کہ محافظ ہی باغی بن گئے ان کی نگاہیں صرف مسلمانوں پر تھیں اور سارا عتاب ان پر ہی نازل ہوا تھا۔

رات آدھی گزر چکی تھی اندھیرے اور سناٹے کے گہرے سمندر میں پورا شہر دم

سادھے خوف کی چادر لپیٹے یوں بے حس وحرکت پڑا تھا جیسے بھول چکا ہو کہ وہ زندہ ہے۔

جب جاذب کو محسوس ہوا کہ ماحول تھوڑا سا پرسکون ہو گیا تو اس نے امی سے کہا!

''امی چلئے باہر کا گیٹ بند کر کے آتے ہیں جیسے ہی وہ صحن میں آیا بندوق سے نکلی ہوئی گولی اس کے پیچھے سے نکلتی ہوئی دم ہلاتے کتے کو زخمی کر گئی جاذب نے دہشت سے آنکھیں بند کر لیں اور الٹے پاؤں گھر میں داخل ہو گیا''۔

حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے ان گنت گاڑیاں اور گھر شعلوں کی نذر ہو چکے تھے، بم دھماکوں سے لوگوں نے سماعت کھو دی گولیوں اور بارود کی گرمی سے پورا شہر جھلس رہا تھا باغیوں پر قابو کرنے کے لئے ملٹریوں کی طرف سے فائرنگ ہو رہی تھی اندھیری رات کو بارود کی روشنی داغدار کر رہی تھی یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے نہ جانے کتنے معصوم نوجوان بیڑیوں میں جکڑ لیے گیے پنچایت بھون کی دیواریں منہدم ہو گئیں تھیں پر ہری کا ریالہ کی ایک بھی اینٹ نہیں بچی ۔

خیر دوپہر ڈھلنے کے بعد دھماکوں کی آوازیں ذرا کم ہوئیں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر فائرنگ کی آوازیں آ رہی تھیں جب اطمینان ہو گیا کہ گولیاں اس علاقے سے دور چل رہی ہیں تو لوگوں نے کہا عافیت اسی میں ہے کہ کسی طرح بچ بچا کر اسی وقت شہر سے نکل چلیں۔

اس وقت ہر فرد کے لئے اپنی زندگی عزیز تھی گھر بار مال واولاد کی کوئی پرواہ نہ تھی آخر کار اپنی اپنی زندگی کے تحفظ کے لئے سارے مسلمانوں نے شہر چھوڑنے کا ارادہ کر لیا کیوں کہ بھڑکتے ہوئے شعلوں نے اپنا رخ انھیں کی جانب موڑ لیا تھا اور یہ آگ ایسی تھی جسے فائر بریگڈ کا عملہ بھی نہیں بجھا سکتا تھا۔

سورج پہاڑوں کے پیچھے اترتا جا رہا تھا، ثناء کے چچا اور ماموں سمیت پورے شہر والے خلوص ومحبت کا قرض لیے شہر چھوڑ کر جا رہے تھے آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

اورضبط کرتے کرتے شعلہ بار ہورہی تھیں لیکن ثناء کی امی کسی بھی حال میں شہر چھوڑنے کو تیار نہ تھیں جبکہ پورے خاندان والے مسلسل اصرار کررہے تھے اور نیوز کے ذریعہ ان کو یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ ثناء کی یونیورسٹی بند ہوچکی ہے ایسے حالات میں ثناء کو یہاں لانا خطرے سے خالی نہیں وہ کشمکش میں مبتلا تھیں کچھ فیصلہ نہیں کر پارہی تھیں۔

شہر چھوڑتے وقت نوجوان بوڑھوں کے سامنے سرخم کئے دعاؤں کے طالب کھڑے تھے کہ جہاں جائیں وہاں کی زمین راس آئے مگر سب کے ذہنوں میں ایک ہی چنگاری دہک رہی تھی کہ وہ کہاں جائیں؟ آگے کیا ہے؟

راستے پرخطر.....منزل نامعلوم

مگر آگے جانے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا انھیں اپنی منزل تلاش کرنی ہی تھی، آخر کار افق پر پھیلی ہوئی سرخی میں انہوں نے اپنی پناہ گاہ تلاش کرلی مگر دلوں میں جگہ نہ بنا پائے۔۔مگر ہاں محروموں اور مفلسوں تک کو پناہ مل گئی تھی چاہے وہ فٹ پاتھ ہی کیوں نہ ہو۔

ان لوگوں نے قدم آگے بڑھایا، بھوکے پیاسے تھے مگر کہیں کچھ کھانے پینے کے لئے بھی نہ رکے کبھی کبھی رفتار ہلکی کر کے سانسیں درست کر لیتے، سب ایک ہی شہر ایک ہی مذہب بلکہ کچھ تو ایک ہی خاندان کے تھے اور سب نے مل کر ہی ساتھ نکلنے کا فیصلہ کیا تھا مگر اس وقت سب اجنبی تھے کسی کو کسی کی فکر نہ تھی اور تھی تو صرف اپنی۔

ان کے جانے کے بعد پورا شہر خالی ہوگیا اس قدر سناٹا تھا کہ ہوا کے شور سے کان پھٹے جارہے تھے، ثناء کی امی کو ایسا لگ رہا تھا کہ زندگی مکڑی کے جالوں کی طرح لجھ کر رہ گئی ہے، انہوں نے جانے سے انکار تو کر دیا تھا مگر ایک طرف ثناء کی فکر تو دوسری طرف اس بات کا ڈر کہ کہیں معصوم جاذب بھی ان سفاکوں کا شکار نہ ہو جائے اسی دوراہے پر تھیں کہ

دھماکے کی آواز آئی۔

گاڑیاں جلادی گئیں .....کانوں کو یقین نہ آیا.....اور چہرے پر شکن بھی نہیں آئی مگر۔۔۔

ایسا لگ رہا تھا کہ سناٹا سمندر کے طوفان کی پرہول ہواؤں میں تبدیل ہوگیا ہے اور ان کی سانسیں زور زور سے چل رہی تھیں ستاروں کے چہرے فق ہوگئے تھے چاند کی آنکھوں میں دہشت اتر آئی تھی ہوائیں بھی سہمی ہوئی تھیں شہر سے باہر کہیں دور گولیوں کی آوازیں آرہی تھیں ایسا لگ رہا تھا افق پہ ایک بھیانک صبح کی تیاری ہورہی ہے آخر کار پتھر کا بت اس وحشت سے دہشت کھا گیا اور انہوں نے اپنا وطن چھوڑنے اور نئے وطن کی تلاش میں نکلنے کا ارادہ کرلیا۔

گھر سے نکلتے وقت انھیں کچھ ہوش نہیں تھا ساز وسامان سے بے نیاز ہوکر گیٹ میں لاک تک نہیں لگایا اپنے شہر اور ملک کو فراخ دلی سے موالیوں کے ہاتھوں میں سونپ دیا اور ان کے دل میں ایک سرد تلوار اترتی چلی گئی۔

آسمان پر کالے بادل چھائے ہوئے تھے جس سے فضا کچھ زیادہ ہی اندھی ہوگئی تھی شہر سے بہت دور سرحد پار کرنے کے بعد انہوں نے متلاشی نظروں سے دیکھا کہ ہو نہ ہو خاندان کا کوئی فرد سامنے آجائے یا کوئی پرانا رشتہ دار رحم وکرم کی نظر ڈال دے اور اس تاریک شام میں ایک دن ٹھہرنے کا ٹھکانہ دے دے.....مگر

رشتہ داروں کے چہرے اجنبی اور بات کرنے کا لہجہ تک اجنبی لگ رہا تھا محسوس ہورہا تھا کہ انسانیت کے چشموں کے سوتے بند ہوگئے ہیں انہوں نے ساری صورت حال فون پر ثناء کو بتائی جو کہ پہلے ہی نیوز میں دیکھ چکی تھی اور پڑھ چکی تھی اس رات وہ دیر تک نہ سوئی اندھیری چھت کو گھورتی رہی اور فون پر بہت التجا کرتی رہی کہ امی آج ہی میرے پاس

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

آجاؤاور ہم فلیٹ لے کر یہیں رہیں گے اس کے ابو نے بھی یہی مشورہ دیا بلکہ حکماً تاکید کی اس کے پاس جانے کی۔

وہ اسٹیشن پہنچ تو گئیں مگر آنے والے لمحوں کا خوف، مستقبل کی تشویش، عدم تحفظ اور بے یقینی کا کہرا ذہن کو لپیٹے ہوئے تھا، پلیٹ فارم پر جہاں تک نظر پہنچی وہاں تک مانوس چہرے نظر آئے، انھیں اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل یہاں سے سب کو نکال دیا جائے اور پھر کوئی ان کی پرواہ کرنے والا نہ ہو۔

وہ انھیں وحشت زدہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

کوئی آدھی رات ہی گزری ہوگی کہ ٹرین آ گئی اور وہ ثناء کے پاس جانے کا ارادہ کر کے ٹرین پر سوار ہو گئیں تھرڈ کلاس کے ڈبے میں سفر کرنے کے بعد انھیں سفر کی مشقتوں کا اندازہ ہوا۔۔۔انہوں نے سوچا خیر زندگی میں نشیب و فراز تو آتے ہی رہتے ہیں۔

صبح کی سفیدی رات کی سیاہ چادر کو چاک کر کے نمودار ہو رہی تھی، جاذب اور امی اجنبی شہر کے اجنبی سڑکوں پر چل رہے تھے ثناء نے اپنے ایک دوست کو انھیں Recieve کرنے کے لئے اسٹیشن بھیجا۔

ان کی خستہ حالت دیکھ کر کر اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

یہاں آتے ہوئے پندرہ دن سے زیادہ گزر گئے تھے لیکن کوئی دن ایسا نہیں گزرا تھا کہ انہوں نے دوستوں اور رشتہ داروں کو یاد کر کے آنسو نہ بہائے ہوں۔نئی جگہ نئے لوگ یہاں آنے کے بعد انہوں نے لاکھ کوشش کی خوش رہنے کی لیکن۔۔۔مسکرانے کی کوشش کرتیں تو مسکراہٹ ہونٹوں تک آنے سے پہلے ہی دم توڑ دیتی اور آنکھوں کے سامنے بلکتی آنکھیں گولیوں سے چھلنی ہوتے ہوئے جسم، معصوم نوجوانوں کا بہتا ہوا لہو گردش کرنے لگتا ،درد کی ایک لہر جسم میں دوڑنے لگتی اور جدائی کا کرب شعلہ کے مانند ہڈیوں کو جلانے لگتا۔

اور پھر مسکرانے کی خواہش پر درد کا شدت غالب آجاتا۔

جیسے جیسے عید کا دن قریب آرہا تھا درد کی شدت اتنی ہی بڑھ رہی تھی امی کی حالت دیکھ کر ثناء کی تو خواہش ہی ختم ہو گئی کہ وہ عید کا دن آئے جس کا مہینوں سے انتظار تھا جس کے لئے اس نے دوستوں کے ساتھ مل کر خوب تیاریاں کی تھیں اور اس نے نیوز دیکھنا بھی چھوڑ دیا تھا کیونکہ دیکھنے سے کرب میں اضافہ ہی ہوتا تھا۔

پورا شہر روشنیوں میں ڈوبا ہوا تھا گلیوں کی سجاوٹ آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں عید کا چاند آسمان کی دھند کو چیرتے ہوئے نکل آیا تھا پوری بلڈنگ کے لوگ چھت کے بالائی حصے پہ جمع ہو کر نئے چاند کا نظارہ کر رہے تھے۔مبارک باد اور تکبیر کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں مگر ثناء اور جاذب ان سب چیزوں سے بے پرواہ ہو کر سڑکوں پر دوڑتی بھاگتی ہوئی گاڑیوں پر نظریں جمائے تخیل میں اپنے رشتے داروں اور بچھڑے ہوئے دوستوں چچازاد بھائی بہنوں سے گلے مل رہے تھے۔

اسی درمیان ثناء کی دوست کا فون آ گیا اس نے تو پہلے حیرت سے پوچھا ارے ثناء کیا بات ہے یہ تو عجوبہ ہو گیا تمہارے نمبر پہ فون کیسے لگ گیا ثناء نے کچھ جواب نہیں دیا پھر اس نے کہا اور انٹرنیشنل نمبر بند کیوں ہے پہلے میں نے اسی پر ڈائل کیا تھا وہ تو یوں ہی تمہارا نمبر ڈائل کیا تو دیکھا فون Recieve بھی ہو گیا تمہارا نمبر وہاں پہ کیسے آن ہے ثناء نے خاموشی اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔

اس کی دوست نے سمجھا شاید یہ ناراض ہے اس لئے جواب نہیں دے رہی ہے اور اس نے صفائی دینا شروع کی، ارے اس لئے تو میں نے فون کیا کہ ایک ہی بار فون کر کے خیریت بھی پوچھ لوں گی اور مبارک باد بھی دے دوں گی اور یار انٹرنیشنل کال کرنے کے لئے سوچنا بھی تو پڑتا ہے اس نے مذاق کرتے ہوئے کہا!

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

دوسری طرف ثناء کی آنکھیں بھر آئیں اور اس کی آواز بھیگ گئی۔

ایک لمحہ خاموشی کے بعد اس نے بولنے کی ہمت کی اور تسلی دیتے ہوئے کہا پریشان مت ہو یار تم تو جانتی ہی ہو یہاں کسی کو مکمل جہاں نہیں ملتا کوئی بات نہیں انشاءاللہ آنے والی عید گھر پہ ہوگی۔

ثناء کے ابو بھی فون پہ بار بار تسلی دے رہے تھے انشاءاللہ جلد ہی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا اور اگلی عید انشاءاللہ پورے رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ منائی جائے گی۔

عید کی شام ہو چکی تھی مغرب کے سمت سرخیاں لہرا رہی تھیں، آسمان کی دھندلاہٹ ثناء کے چہرے پر اتر آئی تھی ثناء کے چہرے پر اداسی چھائی ہوئی تھی اس کی نظریں خلاء میں تیر رہی تھیں اور لاشعوری طور پر کسی کی تلاش میں سرگرداں تھیں ساری تکلیفیں ضبط کر کے امی کو بہلانے کی خاطر بار بار پارک چلنے کا اصرار کر رہی تھی۔

مگر امی کس طرح ایک اجنبی شہر کے اجنبی پارک میں جا سکتی تھیں وہ تو ہر بار کی طرح دیدہ و دل فرش راہ کئے ہوئے اپنوں کی آمد کے انتظار کے دیپ جلائے بیٹھی تھیں مگر آنے والے تو راستہ ہی بھٹک گئے تھے اور نہ جانے کہاں منتشر ہو گئے تھے۔

چونکہ یونیورسٹی بھی بند تھی اس لئے یہاں کا ماحول بھی کچھ زیادہ ہی اداس تھا لیکن کبھی کبھی وہ دل بہلانے کے لئے جاذب کو لے کر یونیورسٹی پارک چلی جاتی لیکن پارک کو بھی دیکھ کر ایسا لگتا کہ بہار کا موسم روٹھ کر یہاں سے چلا گیا ہے۔

خیر! عید کے ایک ڈیڑھ مہینہ بعد یونیورسٹی کی فضا بحال ہو گئی اسٹوڈنٹس اپنے اپنے گھروں سے واپس آنے لگے تھے ثناء کی دوستیں بھی آ گئیں تھیں ابھی باقاعدہ کلاسیز شروع نہیں ہوئی تھیں اسی لئے کلاس میں زیادہ تر وقت باتوں میں ہی گزر جاتا اور ان کی باتوں کا موضوع بسا اوقات عید کے موقع پر کی گئیں مستیوں اور مصروفیات کا ہوتا مزید یہ کہ وہ

عید والے فوٹو بھی ساتھ لے آئی تھیں جن میں ان کی یادوں کا سامان تھا یہ سب کچھ دیکھ کر ثناء اپنے ٹوٹے ہوئے دل اور بکھری ہوئی خواہشات کو سمیٹنے لگتی۔

کہا جاتا ہے وقت ہر زخم کا مرہم ہوتا ہے لیکن یہاں پہ تو وقت بھی ثناء کے زخم کو مندمل نہ کر سکا''

جبکہ اس وقت اس کے پاس اس کی امی بھائی اور عزیز دوست بھی موجود تھیں مگر وہ خود دل میں اٹھتے ہوئے کرب کو محسوس کرنے سے قاصر تھی۔

☆☆☆

(ماہنامہ لاریب، جنوری 2015)

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

راج محل

وقت کی گردش پوری ہوچکی اب تو نہ صبح ہے، نہ شام ۔ نہ دن ہے نہ رات ۔ نہ جانے خدا کا التفات ہے یا انتقام ۔آشنا بھی اجنبی ہیں ۔احتیاط سے کچھ کام نہیں ہوتا ہر چیز کا اہتمام ضروری ہے سفر مکمل ہو گیا منزل نہیں ملی، عشق کے متعلق سب کی رائے کھو کھلی ہے ہر چیز تضاد کی صورت میں وقوع پذیر ہو رہی ہے۔

اُوم بُھر بُھو اسھا، تت سُوِترُ ورینیَم ' بھر گو دِوسدِ ھیمھی دھیو یونہہ پر چودیا۔

پرارڑنی دیوی جیسے ہی مندر سے باہر نکلیں للت کمار نے کہا میم صاحب! مہارانی سری متی ایشوراڑنی دیوی کی طرف سے بلاوا آیا ہے۔انہوں نے ترنت راج محل میں بلوایا ہے گاڑی باہر آچکی ہے۔

پرارڑنی دیوی اصول وضابطے کی پابند بنا پوجا ختم کئے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی تھیں خواہ کچھ بھی ہو جائے۔

ابھی ذرا مشغول ہوں، انہوں نے جواب دیا۔ایک آدھ گھنٹے میں آجاؤں گی۔

راج محل پہنچے پر پتہ چلا کہ راجکماری کو سنگیت سکھانا ہے۔ پرارڑنی دیوی کو ساری ودھی معلوم تھی کہ گیتوں اور منتروں کو لے میں کیسے گایا جاتا ہے۔انہوں نے کہا۔راجکماری جی پہلے آپ کو چھند کا گیان دینا پڑے گا۔تھوڑی سی مشق گانے کی بھی کراتی رہوں گی۔سب سے پہلے انہوں نے اس لائن کی لے سکھائی۔

''سرسوتی ماتا ودیا کی کھانی دیوگیان بودھی ہامی لائی، تمی پدم شری نرہولائی''

پراڑنی دیوی ٹھیٹھ ہندی بھی جانتی تھیں اور ماہوار رسالۂ شاہین میں فارسی آمیز

اردو میں مضامین بھی لکھتی تھیں اور ان مضامین میں ظلم وتشدد کے خلاف قلم کی بے باکی دکھاتی تھیں۔

ان کی قابلیت دیکھ کر راج محل میں شاہی سنگیت کار کا عہدہ دیا گیا مگر انہوں نے قبول نہیں کیا، کیوں کہ وہ ہمیشہ سے راجاؤں کی تعیش پسندی اور استحصالی رجحان، بدچلنی اور بدعنوانی کے خلاف رہیں۔ظاہر ہے محل میں رہ کر شاہی رویوں کو نظر انداز کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا اس لیے مستقل قیام کے بجائے صرف وقتی ٹیوٹر کے طور پر انھوں نے راجکماری کو سنگیت سکھانے کی ذمہ داری قبول کر لی۔

راجکماری چارومتی سین کی شادی سرسوتی نگر کے یواراج راجندر سنگھ کے ساتھ طے ہوئی تھی انہوں نے شرط رکھی تھی کہ ان کی ہونے والی یورانی کو ہر کلا میں ماہر ہونا چاہئے۔

اسی لئے پرارڑنی دیوی کو سنگیت اور شبانہ نکہت قنبر کو ڈانس اور تیر اندازی وغیرہ سکھانے کے لئے رکھا گیا۔ پرارڑنی دیوی صبح میں سکھانے آتیں اور شبانہ نکہت قنبر شام میں۔

نکہت قنبر غضب کی خوبصورت تھیں چوڑی پیشانی، خم دار بھنویں غزال آنکھیں، ابھرے ہوئے پستان، لبوں پہ گاڑھی لپ اسٹک نئے انداز کے کٹے ہوئے بال، لبھاتی ہوئی چال کھدر کاٹن کا چست پائجامہ سلیولیس لمبا کرتا زیب تن کئے پوری فلم ایکٹرس معلوم ہوتی تھیں۔

جب یہ پتہ چلا کہ سرسوتی نگر کی مہارانی لکشمی دیوی کو سارے فنون انہوں نے سکھائے تھے تو ان کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ انہوں نے چیلنج اور وعدہ کیا کہ ''میں راجکماری چارومتی سین کو سرسوتی نگر کی پسند رہویں اور سب سے ماہر و کامیاب یورانی بنا کے رہوں گی۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

اس کے بعد تو نکہت قنبر کو راج محل میں رہنے کی دعوت دی گئی مگر انہوں نے کہا کہ مجھے سرسوتی نگر کے ہر ہائنس سے اجازت لینی پڑے گی۔

اسی دن وہ سرسوتی نگر گئیں!

یور ہائنس اگر آپ کی اجازت ہو تو یہ محل چھوڑ کر کہیں اور شفٹ ہو جاؤں؟؟

''بالکل اجازت ہے''۔انہوں نے کہا۔

نکہت قنبر کو محل میں رہتے ہوئے تقریباً ایک مہینہ گزر گیا لیکن وہ مطمئن نہ تھیں۔ پھر بھی یکسوئی سے وہ اپنا کام کرنے کی کوشش کرتیں۔بہت ہی کم دونوں میں اس نے نیٹ پر Search کر کے نئے انداز کے ڈانس اور نئی نئی تکنیک راجکماری کو سکھا دیئے۔

ایک دن وہ نیٹ پہ بیلی ڈانس دیکھ رہی تھیں کہ راجکمار کلدیپ شاہ نے پیچھے سے آ کر ان کے بلاؤز کی ڈوری کھول دی اور قریب کرتے ہوئے کہا کہ آپ دوسروں کے لئے اتنی محنت کیوں کر رہی ہیں آپ تو میری مہارانی ہیں بس ایک نظر کرم کی ضرورت ہے۔ یوراج کلدیپ شاہ آپ کے لئے حاضر ہے۔

نکہت قنبر نے اپنے آپ کو اس کے چنگل سے آزاد کراتے ہوئے خود کو سنبھال کر تیز لہجے میں جواب دیا''آج تک رجواڑوں کی اسی گھٹیا اور وحشیانہ حرکت کی وجہ سے ان کا زوال ہوا ہے راج پاٹ چھن گیا چہار دانگ میں انھوں نے در در کی ٹھوکریں کھائیں''۔

پرنس راجندر!!! آپ شاید بھول گئے ہیں کہ راج تنتر ختم ہو چکا ہے۔نکہت قنبر کی سانسیں زیر و زبر ہونے لگیں،آنکھیں لال ہو گئیں،اور وہ غصے پر قابو نہ کر سکیں۔

دوسرے دن شبانہ نکہت قنبر کو اس''گستاخی'' کی پاداش میں راج محل سے نکال دیا گیا۔

پوری دنیا مصروف ہے،کسی اور کی داستان غم سننے کی کس کو فرصت ہے؟ آشیاں کو

خاک کرنے والا تو عرش پہ حکومت کر رہا ہے مگر خاموش نگاہوں کے شرر سے آج تک کوئی بچ سکا ہے؟؟

راج محل سے نکلنے پر نکہت قنبر کو کوئی دکھ نہیں ہوا کیوں کہ دنیا کے کشاکش کو وہ پہلے ہی دیکھ چکی تھیں،موج حوادث سے ٹکراتے ٹکراتے چٹان ہو گئی تھیں۔اس دھرتی پر اپنی بازگشت کے سوان کا کوئی سہارا نہیں تھا۔بچپن کہاں گزرا کچھ پتہ نہیں یتیم خانے میں رہ کر تعلیم حاصل کی وہیں سے ڈانس کا شوق ہوا دوستوں اور دوسرے نیاز مندوں کے طفیل سے نیویارک گئیں اور اعزازی ڈگری حاصل کی۔

وطن آتے ہی رام کمار ایلن کالج میں انھیں نوکری مل گئی جو بہت ہلکی پھلکی تھی،اسی فرصت کی وجہ سے وہ گاہے بگاہے راجواڑوں کی دعوت قبول کر لیتی تھیں۔زندگی کے تاریک سفر کو مقدر سمجھ کر مطمئن تھیں اور اسی اطمینان نے انھیں آگے بڑھنے کی روشنی عطا کر دی۔

کماگھنی راجکماری سا:پرارڑنی دیوی پدھار چکی ہیں آپ جلدی سے تیار ہو کر آجایئے۔

پرنام۔(پرارڑنی دیوی سے)

جگ جگ جیو آپ کا پرشرم سفل ہو۔

پرارڑنی دیوی کے ہاتھوں میں پیتل کے کنگن اور گلے میں کنٹھ مالا،ساری ٹخنوں کے اوپر،بودھشٹ مذہب کی مداح،بات بات میں مغل بادشاہوں کا ذکر،ہر کام میں لکھنؤ کی نزاکت۔گیتوں اور نیپالی سر کی عاشق۔

ان کی یہ شخصیت سر کے اوپر سے گزرتی تھی۔

پرارڑنی دیوی شکسپیئر کے ڈرامے''جولیئس سیزر'' کے کردار Brulus کی شرافت کی تعریف کرنے میں اتنی مگن ہو گئیں کہ وقت کا پتہ ہی نہیں چلا اور راجکماری چارومتی

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

سین کو سنگیت سکھانے کا وقت بھی ختم ہو گیا۔

رفتہ رفتہ یہی روز کا معمول ہو گیا، پراڑنی دیوی سنگیت سکھانے آتیں لیکن راجکماری سیکھنے سے زیادہ باتوں میں وقت گزار دیتی۔

ایک دن راجکماری نے کہا۔میم آپ کو ہر چیز کا ایکسپیرنس ہے، کوئی بھی فیلڈ ایسی نہیں جو آپ کے نالج سے باہر ہو، ساتھ ساتھ آپ کو رجواڑوں اور نوابوں کے سارے رسم و رواج اور شاہانہ انداز بھی معلوم ہیں۔آخر کیسے؟؟؟

انہوں نے کچھ جواب نہیں دیا۔۔اور اپنی ڈائری نکال کر لکھنے لگیں، قسمت نے بہت رنگ دکھائے ہیں، آسودگی کی دعائیں مانگی مگر سب افق پر معلق ہو کر رہ گئیں۔خواب دیکھا تھا زندگی سنور جائیگی جو نتیجے کی صورت میں سامنے ہے۔

○

نکہت قنبر کو محل چھوڑے ہوئے مہینوں گزر تھے۔

ایک دن آتے ہی پراڑنی دیوی نے ڈانس کلاسیز کے بارے پوچھا کہ وہ کیسا چل رہا ہے؟؟ تب راجکماری نے ساری تفصیل بہت افسوس سے بتائی اس کے بعد پرارڑنی دیوی کو نہ جانے کیوں شبانہ نکہت قنبر کی فکر ہونے لگی اور انہوں نے کہا۔

نکہت قنبر کو دیکھنے کی مجھے بڑی اچھا تھی مگر میں نہیں دیکھ سکی۔اب وہ نہ جانے کہاں ہوگی؟

''تج بن جگ سونا سونا ہے آمل رے پیا'' کی لے سکھا کر وہ یہ کہہ کر جانے لگیں کہ شام ساڑھے چھ بجے شکسپئر کے ڈرامے ''رومیو اینڈ جولیٹ'' کی مشق کرانی ہے کل بچوں کو ریہرسل کے لئے جانا ہے۔ Othell کی مشق کر چکے ہیں، کالج ڈے پر یہ ڈرامہ Play کروایا جائے گا۔اور ہاں کل میں ذرا دیر سے آؤں گی۔

راج محل سے نکلتے ہوئے مہاراجہ شیو کمار پریمی نے پراڑنی دیوی کو روک کر کہا'' گرووار کو ہم راجکماری سین کو سرسوتی نگر کے یوراج راجندر سنگھ کے ساتھ پوجا کے لئے پشوپتی ناتھ مندر لے کر جا رہے ہیں مہارانی کی آ گیا ہے کہ آپ بھی ساتھ چلیں۔

پشوپتی ناتھ؟؟؟؟؟پشوپتی ناتھ؟؟؟؟

''نیرنگ زمانہ نے تاراج کرنے کی اب کون سی سازش رچی ہے'' چند لمحے کے لیے وہ بالکل ساکت ہو گئیں۔پھر انہوں نے کہا'' ٹھیک ہے جیسی آپ کی آ گیا۔''

گرووار کو یاترا پر نکلے تو راستہ میں بہت سے دھارمک استھلوں پر اتر کر وہاں کے درشن کئے۔پر جا بھی راجستھان کے مہاراجہ کو دیکھنے کی بڑی خواہش مند تھی اور جب لمبنی کے مشہور مقام کپلوستو پہنچے تو سوچا گوتم بدھ کے بھی درشن کرتے چلیں۔

گاڑی سے اترے ہی تھے کہ ایک پاگل شخص ''اوم بھر بھوسھا، تت سوتر ورپنیم، .....''منتر ایک خاص لے میں گاتے ہوئے آیا اور پھر چلانے لگا۔۔''راجہ کو ہٹاؤ دیس بچاؤ''۔۔

اس لفظ کی تکرار سے پوری فضا گونج اٹھی ۔۔۔پولیس نے اسے حراست میں لے لیا۔پرارڑنی دیوی پیچھے مڑیں تو پیروں تلے زمین نکل گئی۔

بہل مان سنگھ!!!

لمبنی میں؟؟؟؟

وہ بھی گوتم بدھ کی مندر میں؟؟؟؟

شاید اپنے کئے کی سزا بھگت رہا ہے۔

اس کے ہاتھ میں ایک تصویر تھی جس پر لکھا تھا نکی بھوانی سنگھ۔

تصویر دیکھ کر پرارڑنی دیوی بے چین ہو گئیں اور ان کی آنکھیں اشک بار

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

ہوگئیں۔

پولیس والوں نے اسے اپنی گاڑی میں بٹھالیا پھر بھی وہ یہی کہتا رہا ''راجہ کو ہٹاؤ دیس بچاؤ۔۔۔۔۔۔''

پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ سن 2000 میں یہاں آیا تھا اور اسی مندر میں رہتا ہے ایک بار جب راجہ گیا نندر شاہ آئے تھے تب بھی یہ شخص یہی شبد کہہ رہا تھا۔ اور شروع شروع میں جب یہ یہاں آیا تھا تو گایتری منتر ہر وقت گاتا رہتا تھا اور کہتا پرارڑنی لوٹ آؤ۔

یا خدا زمانے نے کتنے رنگ بدلے ان آنکھوں نے کتنے تماشے دیکھے، رنج وغم کا شکوہ کسی سے نہیں کیا، مدت گزر گئی لیکن زخم ابھی بھی ہرا ہے۔ اپنی ڈائری نکال کر پرارڑنی دیوی نے یہ جملے لکھے۔

اس پاگل شخص کو دیکھ کر سب ایک دوسرے سے زیرلب کہہ رہے تھے کہ شاید یہ آدمی رجواڑوں کے ہاتھوں ستایا ہوا ہے راج تنتر کہیں پھر سے نہ لوٹ آئے اسی بات سے ڈر رہا ہوگا۔ راجہ شیو کمار کو دیکھ کر اسے راج تنتر کا زمانہ یاد آ گیا ہوگا۔

یہاں سے نکلنے کے بعد وہ لوگ سیدھے پشوپتی مندر پہنچے پوجا ختم ہونے کے بعد مہاراجہ صاحب، راجکمار اور راجکماری راج پروہتوں کے ساتھ ''نارائن ہیٹی'' شاہی محل میں گئے جو ۲۰۰۱ء میں حادثہ کا شکار ہو چکا تھا۔ راجکماری سین نے پوچھا! راج پروہت جی یہ محل اتنا خالی اور ویران کیوں ہے؟

پنچائیت ویوستھا ختم ہوگئی، اسی لئے راجہ کو محل خالی کرنا پڑا مگر آپ لوگ یہاں پوجا کے لئے آتے ہیں تو پرانے راجاؤں کے درشن کرانا اور ان کا پریچے کرانا آوشیک ہے۔

یہ راجہ ''بھکتا من'' ہیں جو گوپال خاندان سے تھے، متھر اسے آ کر یہاں بس گئے تھے اس خاندان کے راجاؤں نے پانچ سو اکیس 521 سال تک یہاں راج کیا ہے۔ اس

کے بعد یہ کرانت خاندان کے راجہ ہیں یہ چین سے آ کر آباد ہوئے تھے۔ ان کے آنے کے بعد وسطی ایشیاء، تبت، برما، بھوٹان اروناچل، سکم، ناگالینڈ، منی پور سے عقیدت مندوں کی ایک بڑی تعداد آئی اور یہ کرانتی کہلائے انہوں نے 1225 برس تک حکومت کی۔ لچھوی شاہ ہندوستانی نژاد تھے انہوں نے تہذیب وثقافت قائم کرنے کے ساتھ ساتھ علوم وفنون کو بھی ترقی دی اس خاندان کے راجاؤں نے 630 سال حکومت کی۔ اس دور میں امشو ووما نام کے ایک بہت بڑے عالم تھے انہوں نے سنسکرت میں گرامر لکھی چینی سیاح ہان سنگ نے اس کے قابلیت کی تعریف کی تھی۔

پرارڑنی دیوی سارے راجاؤں کا تعارف بڑی تفصیل سے کروا رہی تھیں۔

انھیں دیکھ کر راج پروہتوں کے ساتھ ساتھ اور لوگ بھی حیران تھے۔ راجکماری نے پوچھا! میم آپ بیچ میں ایک راجہ کی پورٹریٹ کا Introduction کرائے بغیر کیوں آگے بڑھ گئیں؟

انہوں نے جواب دیا۔ یہ مہاراجہ سوریہ ونش میں ان کے دور کو Dark age کہا جاتا ہے۔ اور انہیں شاہی دور میں منحوس دور کا راجہ کہا جاتا تھا۔

یہ ہیں راجہ بیر بکرم شاہ ان کو دلی کے سلطان نے آرٹ، کلچر، صنعت وحرفت اور دوسرے فنون کو ترقی دینے کی وجہ سے شمشیر جنگ کے خطاب سے نوازا تھا۔

میم تربھون شاہ بھی تو کوئی راجہ تھے۔ راجکماری نے پوچھا

ہاں! ہاں! وہ تو بہت نامور تھے۔

اور راجہ بیر بکرم کے بعد مہاراجہ تربھون شاہ نے ہی حکومت کی جن کے نام پر تربھون یونیورسٹی اور تربھون ائیر پورٹ بھی بنایا گیا ہے۔ ہمارے وزیراعظم جواہر لال نہرو نے بڑے اعزاز واحترام سے نوازا تھا انہوں نے ہی یہاں پر پنچائتی شاسن قائم کیا تھا۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

یہاں کے آخری راجہ بیر بکرم شاہ ہیں انہیں کے زمانے میں جمہوریت کی تحریک شروع ہوگئی تھی راجہ نے پرجا کے مزاج کا احترام کرتے ہوئے پنچائتی راجیہ کو ختم کر کے جمہوریت کا اعلان کیا اور یہ راجستھان سے یہاں آئے تھے۔

راجکماری سین نے کہا اچھا؟ 2001 میں انہیں کے ساتھ Accident ہوا تھا محل کے اندر ہی پوری فیملی ختم ہوگئی تھی Oh My God یہ تو بہت بڑا Accident تھا ہمارے یہاں بھی راجواڑوں میں ان کا سوگ منایا گیا تھا۔

جی ہاں۔اسی حادثہ کے بعد یہ شاہی محل کھنڈر بن گیا۔سب کا تعارف کرانے کے بعد جب آگے بڑھے تو ایک کمرے میں دو خواتین کی تصویریں بڑے ہی نزاکت سے چاندی کے پھول دار فریموں میں سجا کر دیوار پر آویزاں کی گئی تھیں۔

راجکماری نے تجسس سے پوچھا یہ Lady کون ہیں؟

پرارڑانی دیوی نے جواب دیا یہ عزت مآب حضرت محل ہیں 1857 میں لکھنؤ سے ہجرت کر کے یہاں آئیں اور تاحیات یہیں مقیم رہیں وفات بھی یہیں ہوئی اور مزار بھی یہیں ہے۔

دوسری Lady کون ہیں؟

حضرت محل کے ساتھ ان کے چند فدائی بھی ساتھ آئے تھے انہیں میں سے ایک یہ بھی ہیں پرارڑنی دیوی ضبط نہ کر سکیں اور فرط محبت سے اس پر ہاتھ پھیرنے لگیں ان کے ہاتھوں میں پیتل کے گنگن کسی انجانے رشتے کا ثبوت دے رہے تھے۔

اس پورے سفر میں یوراج راجندر نے پہلی بار زبان کھولی بھی تو حضرت محل کے مقبرے کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔راج پروہت جی ان سب کو لے کر حضرت محل کے مقبرے پر گئے وہاں پر موجود مجاور نے حضرت محل کی ایک نظم پڑھوائی جس کا شعر ہے۔

لکھا ہو گا حضرت محل کی لحد پر
نصیبو ں جلی تھی فلک کی ستا ئی

راج محل سے باہر نکلے تو دیکھا کہ شاہی پارک میں راجاؤں کے بنے ہوئے مجسمے کو توڑا جارہا تھا پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہاں اسمبلی ہال تعمیر کیا جائے گا۔

پوجا سے لوٹ کر آئے تو کچھ دنوں تک سفر میں ہونے والے واقعات کے چرچے ہوتے رہے جس میں ایک واقعہ اس پاگل شخص کا بھی ہوتا۔۔۔جس نے لمبنی میں راجہ کو خوف زدہ کر دیا تھا۔۔۔

اس کے بعد راج محل میں شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔پراڑنی دیوی گھر کے ایک فرد کی طرح تمام رسموں میں شریک رہیں۔

○

پورا محل شہنائیوں سے گونج رہا تھا سفید اور نیلے رنگ کے پھولوں سے پورا محل اس طرح سجا ہوا تھا گویا نیلگوں عرش نے اپنا حسن اسی سے مستعار لیا ہو۔

پولیس کمشنر شبانہ نکہت قنبر کا فوٹو لئے ہوئے محل میں داخل ہوا ''ہمیں خبر ملی ہے کہ کچھ دن پہلے یہ lady راج محل میں ڈانس سکھانے آتی تھی۔''

راجکمار کلدیپ نے شاہی دھاک جماتے ہوئے کہا ''کیا بکواس کرتے ہو؟؟

مگر کمشنر پیچھے نہیں ہٹا۔اور فائل نکال کر سب کے سامنے پیش کر دیا۔

''سدھی آشرم میں ان کا بچپن گزر رہا ہے وہیں سے ہمیں یہ جنم درتا ملا جس میں یہ نام لکھا ہے نکی بھوانی سنگھ پتری بہل مان سنگھ۔ماتا شری متی پرارڑنی دیوی۔''

حیران وششدر۔۔۔سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔۔۔

راجکماری سین نے حیرت سے کہا ازشی داڈاٹر آف پرراڑنی دیوی؟؟؟؟؟

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

سورج کے لہو میں ڈوبی ہوئی شام آہستہ آہستہ سلگتی ہوئی رات میں ڈھلنے لگی تھی، سہمی سہمی فضاؤں نے چپ چاپ آنکھیں بند کر لی تھیں پورا راج محل خاموش تھا، نیلا آسمان ، چمکتے ہنستے ،مسکراتے ، چاند ستارے کائنات کی ہر چیز خاموش تھی ۔ پراڑنی دیوی شادی کا کارڈ دکھا کر محل میں داخل ہوئیں تو چونک اٹھیں کہ شاید غلط جگہ آ گئی ہوں یہاں تو کوئی شہنائی ،کوئی رقص نہیں ہے۔

للت کمار اندر آیا اور راج ماتا سے کہا! ''میم ساب یہ ڈائری باہر گاڑی کے پاس گری ہوئی تھی''۔

سنہرے لفظ میں اس پر لکھا تھا پراڑنی دیوی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ادب کی خلاف ورزی کرنی پڑی۔

پہلا صفحہ ۔ میں پرارڑنی دیوی، بہل مان ،سنکھ کی دھرم پتنی نکی بھوانی سنکھ کی بدنصیب ماں ۔ دادی جان کی قسمت میں ہی لکھا تھا کہ حضرت محل کے ساتھ ہجرت کریں قسمت کی بدنصیبی دادی کی محبت نے مجھے ماں سے الگ کر دیا۔ مگر دادی بھی تنہا چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے سو گئیں دادی کے بعد میں ٹوٹ کر ریزوں میں بکھر گئی ۔ اجنبی آشنا بنے رحمان چھوڑ کر رام کی پجاری بنی۔

دوسرا صفحہ۔ مجھ لاوارث کو نہ جانے کس کرم فرما نے للتا سندری کے ہاتھوں بیچ دیا انہوں نے بہل مان سنگھ سے شادی کر دی اس کے بعد میرا دین و دنیا سب کچھ بدل گیا، پھر بھی چرخ نے چین نہیں لینے دیا گایتری منتر سن رہی تھی اور بیمار نکی کو اس کا دھن سنا رہی تھی کہ بہل نشے میں آیا اور مجھے باہر نکال کر ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی سے میرا نام مٹا دیا۔ پھر یہاں (ہندوستان) کی سرزمین نے مجھے قبول کر لیا سارے رشتوں کو تو میں نے دفن کر دیا ہے مگر میں مر گئی تب بھی نکی کے لئے میری روح تڑپتی رہے گی ۔ اس ظالم نے تو اسے بھی

رسوائے زمانہ کر دیا ہوگا۔ ڈائری کا یہ صفحہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ کمشنر کے فون کی گھنٹی بجی ۔۔۔اس نے Speekar On کر دیا۔

''کمشنر صاحب! Investigation کے بعد معلوم ہوا کہ راج کمار ایلن کالج کی ٹیچر شبانہ نکہت قنبر ہی نکی بھوانی سنگھ ہیں انہیں اپنا یہ اصل نام خود نہیں معلوم تھا ایک آشرم کے مالک نے انہیں پال پوس کر بڑا کیا اور انہیں سے یہ خبر ملی ہے اور نکی اس وقت I.CU میں ہیں۔''

اس طرح اچانک بجلی گرنے پر پراڑنی دیوی نے کان بند کر لئے اور بے خود ہو کر گر گئیں۔

☆☆☆

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

ساغر ھو صراحی ھو

الفیہ نور سے اور کتنا حسد کرو گی تم ؟ برسوں ہو گئے کچی لکڑی کی طرح سلگتے ہوئے ۔۔

تم ہی بتاو میں کیسے نہ کروں حسد؟ کیا خوبی ہے اس میں کہ لوگ اسے چاہتے ہیں، جبکہ نہ تو وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے اور نہ ہی دولت مند۔ البتہ میں نے اسے راستہ چلنا سکھایا ہے ۔۔ اور آج مجھے چھوڑ کر اسے ۔۔۔۔ وہ کتنی خوش قسمت ہے، بنا خواہش کیے ہی اسے چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں ۔۔

تو تم کیا چاہتی ہو لوگ تمہاری مادی چیزوں سے محبت کریں؟۔

''الفیہ نور ۔۔ الفیہ نور ۔۔ کیا ہو تم ؟؟ کیا ہے تمہارے پاس صرف نام کے سوا۔۔ اب میں اس نام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دوں گی۔ لوگوں کے دلوں سے نکال دوں گی۔ ہر اس جگہ پر جہاں یہ نام آویزاں ہے مٹا کر اس کے اصلی حقدار کا نام لکھ دوں گی''۔

○

میں اس دور کے لوگوں سے پریشان ہوں، ہر روز الجھتی ہوں۔ آخر کیوں لوگ اتنے خود غرض ہو گئے ہیں، وہ سمجھتے کیوں نہیں کہ ان کی شوخیوں سے سامنے والا شخص اذیت میں مبتلا ہو رہا ہے۔ کیا میں مان لوں کہ واقعی یہ شخص مجھ سے محبت کرتا ہے؟ جو ہر روز میرے حسن و جمال ، ذہانت و فطانت کے قصیدے لکھتا ہے۔ لمبی لمبی نظمیں کہتا ہے، روح کی دریافت، اجنتا کی مورت اور جینے کی وجہ گردانتا ہے، میری باتوں سے اس پر نشہ طاری ہوتا ہے، میری ہنسی میں اسے گل و گلزار کی نزاکت نظر آتی ہے۔ کہتا ہے شرابی آنکھوں کے جام سے سیراب نہ کرو کم از کم خواب تو دیکھنے دو۔ ہاں! وہ کیا لکھتا ہے ایک جملہ'' آپ جمہوریت حسن کی خاتون

اول ہیں'' دوسرا جملہ یہ'' آپ محبت نہیں کرتیں مجھ سے نہ سہی، صرف یاد رکھنے کا وعدہ کر لیں تو اسے میں اپنی چاہت کا عروج سمجھوں گا۔ اور پھر مجھے کبھی نہ بھولنے کا وعدہ کرتا ہے۔ کہتا ہے ''تمہاری یادوں کی کہکشائیں میرے دل کے فلک پر ہمیشہ روشن رہیں گی۔''

''الفیہ آپ کتنی پرکشش ہیں، اس غریب کی دنیا آپ کے قدموں میں ہے، میں آپ کی دنیا میں بسنا چاہتا ہوں، آپ کی بانہوں میں پناہ لے کر آنکھیں بند کر لینا چاہتا ہوں، مجھے اپنے قریب کر لو، اپنے نازک ہونٹوں سے چھو کر مجھے چاہت کے گہرے سمندر میں لے چلو۔''

ایسی باتوں سے مجھے کوفت ہونے لگتی ہے ۔ میں کیسے یقین کر سکتی ہوں ان شاعرانہ باتوں پر؟ شمن کی طرح میں نے بھی جان لیا ہے کہ کسی سے محبت کرنا یا کروانا حد سے زیادہ مکاری ہے۔ اسے صرف اور صرف اس نام ''الفیہ نور'' سے محبت ہے۔ اگر میرے وجود سے کوئی اور نام وابستہ کر دیا جائے تو کیا تب بھی وہ مجھ سے محبت کرے گا۔ ہرگز نہیں ۔۔ ہرگز نہیں ۔۔ وہ کیا؟؟ بلکہ ہر وہ شخص جو اپنی دیوانگی کا ثبوت دینے کے لیے چاند تارے توڑ لانے کا دعوی کر رہا ہے لمحہ بھر میں مکر جائے گا۔

میرا سابقہ کئی ایسے لوگوں سے پڑا ہے جن کی شرافت اور نیک نیتی کے چرچے زمانے بھر میں ہیں۔ ہر خاص و عام ان کے علمی، ادبی اور سماجی مرتبے کا قائل ہے۔ لیکن قریب ہونے کے بعد ۔۔۔۔۔

○

ایسا لگتا ہے کہ الفیہ نور صرف تعریفوں کے لیے بنائی ہی گئی ہے۔ میں ہر وقت سایے کی طرح اس کے ساتھ رہتی ہوں، ایک طرف میں لوگوں کو ترستی نگاہوں سے دیکھتی ہوں اور لوگ اسے ۔۔۔ کتنے فخر اور سکون کے ساتھ وہ جیتی ہے۔ وقت اور حالات کا شکوہ

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

اسے لمحہ بھر کے لیے بھی نہیں ہوتا ہوگا۔

بلاوجہ تم الفیہ سے جل رہی ہو۔کیا ہے الفیہ نور کے پاس؟ صرف قلم کی طاقت؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہی طاقت ہے جس نے اس کی ویران آنکھوں کو جھیل اور کھردرے چہرے کو ماہ طلعت بنادیا ہے۔ بظاہر تو اس کی آرزو میں دنیائے ادب کی عظیم ہستیاں بانہیں پھیلائے منتظر ہیں۔

لیکن حقیقت کچھ اور ہے ۔۔مادیت کے اس دور میں کوئی بھی مخلص نہیں رہا۔ اس دور میں کوئی منٹو جیسا بے نیاز اور ممتاز شیریں جیسا بے ضرر جذبہ رکھنے والا نہیں ہے۔

تو کیا اس دور میں تحریریں بھی ہوس پرستی کا شکار ہوگئی ہیں۔لوگوں نے جسم پرستی کی ہوس میں حسن کو رسوا کیا۔۔اور اب شہرت کی چاہت میں قلم کی رسوائی۔۔۔؟؟

ہاں تم یہی سمجھ لو۔

☆☆☆

وہ ایک لمحہ

سنیچر کی رات عام طور پر یوں بھی بڑی اچھی لگتی ہے لیکن نازیہ کی سالگرہ کی وجہ سے مزید پرکشش ہوگئی تھی۔ ایسے موقعوں پر ردا دل کھول کر موج مستی کرتی ،ہنستی ہنساتی۔ اس دن بھی اس نے کچھ ایسا ہی کیا، گانے بجانے ،ڈانس اور تصویریں لینے کا سلسلہ اپنی جگہ لیکن ردا کی مزاحیہ حرکتوں سے ہنستے ہنستے جبڑے دکھنے لگے تھے۔اب ہر فنکشن یا خاص موقع کے بعد واٹس اپ، بلیوٹوتھ کے ذریعہ ایک دوسرے سے تصویروں کے تبادلے ہوتے ہیں ۔خیر وہ بھی ختم ہوا۔تقریباً تین بجے فارغ ہوکر سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ ردا بھی اپنے کمرے میں چلی تو گئی مگر سوئی نہیں۔

رات کے تیسرے پہر تک جاگنا، بار بار باہر لان میں جا کر ٹہلنا اور لیپ ٹاپ میں کچھ نہ کچھ کرتے رہنا ردا کی عادت بن چکی تھی ۔ان عادتوں سے اس کی روم پارٹنر زپریشان رہتی تھیں۔ دوسری ایک پریشان کن بات یہ بھی تھی کہ آج تک اسے کوئی لڑکا پسند نہ آیا تھا۔اور نہ ہی اسے کسی لڑکے پر بھروسہ تھا۔ ہر وقت دوستوں سے یہ کہہ کر مذاق اڑانا کہ ’’کیسے کوئی محبت کرسکتا ہے۔ مجھے تم سب محبت کرنے والے مکار لگتے ہو‘‘ اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ردا کی ان باتوں پر نازیہ بڑی فکرمندی سے کہتی ’’یہ لڑکی پتہ نہیں اپنے شوہر پر یقین اور اس سے محبت کرے گی بھی یا نہیں‘‘۔

اس بے یقینی کی کیفیت میں جینے کے باوجود ردا اپنے والدین کا پسند کیا ہوا رشتہ نا منظور کر دیتی اور بضد ہوکر کہتی کہ ’’میں ایسے لڑکے سے ہرگز شادی نہیں کروں گی جسے میں پہلے سے جانتی تک نہیں‘‘۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

دس بجے کے قریب نازیہ نے سب سے جا کر کہا کہ دو بجے اس نے پارٹی رکھی ہے، تیار ہو کر ویلیج ریسٹورینٹ آجانا۔ میں ذرا کام سے مارکیٹ جا رہی ہوں وہیں سے ریسٹورنٹ پہنچ جاوں گی۔ پروگرام کے مطابق سب دو بجے پہنچ گئے اتفاق سے پورا ریسٹورنٹ خالی تھا۔ ان سب نے خالی پن کا جی بھر کے فائدہ اٹھایا، خوب شور شرابہ کیا۔ ردا نے اس قدر مختلف پوز میں تصویریں کھنچوائیں کہ حد کر دی اور ساتھ ہی اس کے فون پر میسج کی گھنٹی مسلسل بجتی رہی۔

''مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ردا جیسی من چلی لڑکی کا کوئی بوائے فرینڈ نہیں ہے ۔جس کی ایک ایک حرکت چغلی کرتی ہے کہ۔۔۔''

ردا کے پہلو میں بیٹھی شگفتہ اور نازیہ باتیں کر رہی تھیں۔

جی نہیں یہ آپ لوگوں کی غلط فہمی ہے۔ ضروری تو نہیں کہ بوائے فرینڈ ہو تبھی کوئی لڑکی میری طرح ہو!

بالکل ایسا ہی ہے ردا!!''ہم سب میں کوئی اپنے شوہر تو کوئی اپنے منگیتر کو وقت دیتا ہے۔ لیکن تمہارا تو پتہ ہی نہیں چلتا، اکیلی ہی خدا جانے کس دنیا میں مگن رہتی ہو۔

اپنی محبت کی دنیا میں۔۔۔

سب چونک گئے کہ جو لڑکی محبت کے ''م'' سے بھی واقف نہیں اتنے اعتماد سے محبت کا اقرار کر رہی ہے۔

شگفتہ نے کہا اررررے کیا بات کہہ دی؟؟ بس اب جلدی سے داستان محبت سنا بھی دو۔

ہاں محبت سے بھی آگے کی دنیا۔۔ جس میں صرف ہم اور وہ رہتے ہیں۔ اسے میں برسوں سے جانتی ہوں، لیکن ملنے اور بات کرنے کا اتفاق اسی سال ہوا۔

شگفتہ کا بس چلتا تو اچھل کر ٹیبل پر بیٹھ جاتی۔ کہنے لگی، مجھے تو پہلے ہی یقین تھا کہ تمہارا۔۔۔ لیکن نازیہ وغیرہ میری بات ہی نہ مانتی تھیں۔ کیسی چھپی رستم نکلی ردا تم؟ ابھی ،یہیں، اسی وقت دکھاؤ، وہ ہے کون؟

اور بتاو وہ کیسا ہے؟؟ اس سے اچھا موقع اور کہیں نہیں مل سکتا۔ ابھی کھانا آنے میں بہت وقت ہے۔ اور یہ بھی تو دیکھو یہاں کا ماحول کتنا پرسکون اور لطف اندوز ہے۔ فوارے ،جھرنے، کنویں سے پانی نکالتی حسین دوشیزائیں، اور آم کے درختوں تلے آرام کرتے کسان، بانسری کی تان کھینچتے نوجوان، اور کیا چاہیے فطرت سے قربت کے لیے۔

ارے یار! پہلی بار اس سے بات کرنے اور ملنے کے لمحات ایسے خاص اور رومانی نہیں کہ بتاوں۔

چیٹنگ بالکل نہیں چلے گی چپ چاپ بتاو ہمیں۔

ایسا لگتا ہے اسے میں جانتی ہوں برسوں سے، ہاں بے شک جانتی ہوں!!

اس کی ساری خوبیاں اور اچھائیاں برسوں سے دیکھتی آئی ہوں۔ دل ہی دل میں اسے چاہتی بھی تھی۔ اس سے جب بات شروع کی تو یوں ہی پڑھائی لکھائی سے متعلق باتیں ہوتی تھیں ۔دن بھر کی مصروفیات کا ذکر ہوتا تھا۔ پھر دھیرے دھیرے راتیں چھوٹی ہونے لگیں اور باتیں زیادہ ،وہ مجھے، میری باتوں اور میری عادتوں کو پسند کرنے لگا۔ میں نے جانے انجانے میں اسے محسوس کرا دیا کہ اس سے محبت کرتی ہوں اور اس نے بھی۔

میں اس سے بے انتہا محبت کرتی ہوں۔ بے انتہا۔۔ بے انتہا۔۔

وہ ہر لمحہ میرے پاس ہوتا ہے، جب میں خوش ہوتی ہوں وہ بھی خوش ہو کر مجھے گلے لگا لیتا ہے ،جب اداس ہوتی ہوں میرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر تسلیاں دیتا ہے گویا اگلے ہی لمحے میرے چہرے کی مسکان واپس لانے کا وعدہ کر رہا ہو۔ کہیں جاتی ہوں تو خدا حافظ کہہ کر

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

بھی میرے تحفظ کے لیے میرے ساتھ ہوتا ہے۔میسیج کر کے ایک ایک لمحے کی خبر رکھتا ہے ۔یوں بھی وہ ہمیشہ وجود،ایک احساس،ایک یاد کی مانند میرے ساتھ ہوتا ہے۔میں اس سے کہتی ہوں۔''مجھے عادت نہیں ہمدم اکیلے تنہا رہنے کی''۔

میں اکثر جان بوجھ کر کھو جاتی ہوں وہ ہر جگہ مجھے تلاش کرتا ہے اور ملنے پر خوشی سے چوم لیتا ہے گویا کہ ہم برسوں سے بچھڑے رہنے کے بعد مل رہے ہوں۔پھر ہم مست مئے عشق میں سرشار آپس میں باتیں کرتے ہیں۔نوک جھونک ہوتی ہے۔اس نوک جھونک میں شہد کی مٹھاس ہوتی ہے۔

مجھے سمجھ میں نہیں آتا اسے کن القاب سے پکاروں کبھی جان،کبھی ایمان،کبھی اجنبی،کبھی آشنا۔اور سارے اچھے برے القاب بخوشی قبول کرتا ہے۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سے القاب ہیں جو بہت انوکھے ہیں۔

ہم کبھی محبت کا اظہار لفظوں سے نہیں کرتے کیوں کہ بے زبانی کا اپنا ہی حسن ہوتا ہے،ہماری گفتگو میں کبھی جسم نہیں آتا،ہمارے جذبات بوس کنار کی اپنی اپنی مختلف راہیں بنا لیتے ہیں ہماری سچی چاہت میں یاس آبروئی سب سے اول ہے۔سنا ہوگا کبھی!۔عشق جب حد سے گزر جائے تو ولی بن جاتا ہے اور دیوانہ ہو تو قیس بن جاتا ہے۔میرا عشق بھی ایسا ہی ہے۔ہر موسم میں ایک نئے سرے سے میں اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتی ہوں۔

شگفتہ پلیز!!!اس ردا کے بہکاوے میں نہ آو،اسے میں پچھلے ۱۵ برس سے جانتی ہوں یہ ایسی ہی ہے باتونی نمبرون۔کسی ناول وغیرہ کی کہانی سنا رہی ہے۔دوسری دوستوں نے بھی نازیہ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا''پہلے بھی ردا کی کہانیوں کے چکر میں ہم بھوکے رہ چکے ہیں۔خدا کے لیے اب لنچ کر لیتے ہیں''۔

نازیہ کی باتیں سو فیصد صحیح تھیں۔اس دن سے پہلے ردا نے ہمیشہ اپنی دوستوں

کو صرف بہکایا تھا۔ایسی ہی تھی پہلے والی ردا۔۔اسی لیے کسی کو کیسے یقین ہوسکتا تھا کہ پچھلے کچھ دنوں سے اپنی دنیا میں رہنے والی لڑکی چاہت،قربت اور تمناوں کی دنیا میں رہنے لگی ہے۔

ان سب کی خوش گپیوں سے ریسٹورینٹ کے ویٹرز بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔اس لیے ابھی تک آرڈر کی ہوئی ڈشز ٹیبل پر نہیں پہنچائی گئی تھیں۔ردا کو مزید موقع مل گیا اور وہ اپنی باتوں کو مدلل بنانے کے لیے چند عشقیہ اشعار اور نظمیں سنانے لگی جو موقع بہ موقع اسے سناتی تھی۔

بے یقینی کا اظہار کرتے ہوئے شگفتہ نے پوچھا''تم اسے برسوں سے کیسے جانتی ہو؟

وہ یوں کہ میں ہمیشہ سے تصورات کی دنیا میں ایک ایسے ہی شخص سے ملتی تھی۔سمجھ لو کہ میرے خوابوں کا شہزادہ۔

افففففف کیا بات ہے۔آج تو لڑکیاں ایسے ایسے الفاظ ادا کر رہی ہیں۔چلو تصویر بھی دکھا دو اب۔شگفتہ کی بے چینی جیسے بڑھ گئی ہو۔

''لنچ کر کے سب کو اکھٹے دکھا دوں گی۔''ردا نے قدرے تیز آواز میں اعلان کرنے والے انداز میں یہ بات کہی۔

ردا کے اس وعدے اور اعلان پر سب کے چہرے کھل اٹھے۔خاص طور پر نازیہ کا چہرہ۔کھانے کے درمیان ردا نے کہا کہ''واو یار اس آرٹیفیشل فوارے اور جھرنے سے گرنے والے پانی کی آوازوں میں کتنی موسیقیت معلوم ہو رہی ہے۔''

ہاں ہاں ظاہر ہے اب تم ایسی رومان انگیز باتیں کرو گی ہی۔

جب ردا نے اپنے بے مثال محبوب کی تصویر دکھائی تو سب کی زبانیں ساکت

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

ہوگئیں ۔انگشت بدنداں ہوکر سب سوچنے لگیں کہ ردا نے اس تصویر کو دکھانے میں تکلف کیوں نہ کیا۔کاش ہمیشہ کی طرح یہ بھی ردا کا گڑھا ہوا ایک قصہ ہوتا!!!

(ماہنامہ 'پرواز' لندن، نومبر 2015)

☆☆☆

غرور شب

کئی ہفتے سے دونوں ملکوں کی پولیس بڑی متحرک تھی، ویسے تو ہمیشہ ہی سرحد کے اس پار جانے والے لوگوں، اور ادھر سے آنے والوں کی چھان بین ہوتی تھی ۔'ایس ایس بی' والے ایک ہی فرد کو کئی کئی منٹ تک سوال وجواب میں الجھائے رکھتے، ایک ایک چیز کا معائنہ کرتے ۔سرحد کے اس پار جانے کے بعد نیپال کی ٹریفک پولیس ہر پیسینجر گاڑی کی تلاشی لیتی ۔مگر الیکشن کے زمانے میں یہی اصول بڑے سخت ہو جاتے تھے۔ الگ سے border security بیٹھا دی جاتی اور سابقہ منتظمین کا تبادلہ ہو جاتا تھا کیوں کہ رشوت کی لذت سارے اصول وقانون کی خلاف ورزی پر آمادہ کر دیتی ہے،'ایس ایس بی' کے جانبازوں کی حالت تو نہایت ہی ابتر تھی ۔نشہ آور اشیا اور دوسری ممنوعہ چیزوں کے کاروبار کرنے والے ایجنٹ بڑے سستے داموں میں انھیں خرید کر پوری جرأت مندی سے اپنا مال سرحد پار بھیجتے تھے۔

آغا محمد کے قتل کے بعد ہر سال اگست میں الیکشن والی صورت حال دونوں ملکوں کی سرحدوں پر نظر آتی بلکہ لیڈیز پولیس کی ایک بٹالین تعینات کر دیا جاتا ، نیپال سے ہندوستان آنے والی عورتوں کی سخت نگرانی ہوتی ، نقاب والی عورتوں کے چہرے دیکھنے کے بعد ہی انھیں سرحد پار کرنے دیا جاتا۔آغا محمد کے لواحقین کو معلوم تھا کہ اس کی قاتل سائرہ خان کہیں بھی رہے لیکن یوم آزادی کے جشن میں شامل ہونے کے لیے ہندوستان ضرور آئے گی ۔معتمد ذرائع سے انھیں خبر ملی تھی کہ سائرہ خان ہر سال اگست کے مہینے میں ہندوستان آتی ہے۔لیکن کبھی پولیس کی گرفت میں نہیں آئی۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

وہ آتی کیسے نہ ۔۔۔اپنوں کی قربت ،خلوص ، پیار، ماں کی محبت، باپ کا تحفظ، بڑے بھائی بہنوں کی اپنائیت، چھوٹوں کی دلکش نوک جھونک غرض کہ ہر رشتے کی لذت سے نا آشنا سائرہ کو اسی سرزمین نے اپنی آغوش میں پناہ دی، پال پوس کر بڑا کیا، تعلیم یافتہ بنایا اس لیے اسے حد درجہ محبت تھی۔کئی بار غیر ملک میں اسے اچھی تنخواہ والی نوکریوں کا آفر ملا مگر اس نے اپنے وطن سے دور جانا گوارا نہ کیا۔اس کا دل وطن پرستی کے جذبہ سے لبریز تھا، یوم جمہوریہ ہو یا یوم آزادی وہ ہفتوں پہلے سے تیاریاں کرنے لگتی۔آشرم کی دوسری لڑکیوں سے چندہ کر کے سب کے دوپٹہ ترنگے کے رنگوں سے رنگواتی۔جواہر لال کے قصیدے لکھتی۔غرض کہ عجب عجب طرح سے جشن مناتی۔

آغا محمد برسر اقتدار سیاسی پارٹی کا لیڈر تھا۔الیکشن کے زمانے میں وہ اپنا ووٹ بینک مضبوط کرنے کے لیے غریبوں مسکینوں پر ہمدردیوں کے سکے لٹاتا، سارے یتیم خانوں کے دورے کرتا، بیواؤں کی مزاج پرسی کرتا اور بڑا رحمدل انسان سمجھا جاتا۔سائرہ خان سے اس کی پہلی ملاقات آشرم میں ہوئی تھی، دیکھتے ہی وہ سائرہ کے حسن کا دیوانہ ہو گیا تھا، لیکن دو جوان بیٹوں اور بیوی کی موجودگی میں ان کے رعب سے خائف آغا کے پاس سائرہ سے تعلق قائم کرنے کا کوئی راستہ نہ تھا اور پھر ایک عام سی لڑکی سے کھلے عام رسم وراہ رکھنا اس کے اقتدار اور عہدے کے خود ساختہ اصولوں کے خلاف تھا۔الیکشن کی مصروفیات ختم ہونے کے بعد اس نے اپنے سادہ دل دوست جنید خان سے سائرہ کے لیے رشتہ بھیج دیا۔جنید خان ایک این جی او کا ممبر تھا محتاجوں اور غریبوں سے اسے بہت ہمدردی تھی۔یتیم سائرہ کی مجبوریا ں سن کر شادی کے لیے وہ تیار تو پہلے ہی ہو گیا تھا لیکن اسے دیکھنے کے بعد اس کے حسن کا اسیر ہو گیا اور ایک دو ملاقاتوں میں اس کا عاشق ۔آغا محمد کی مدد سے جنید کی بآسانی شادی ہو گئی جب کہ اس کے گھر والے کسی طرح راضی نہ تھے ۔شادی کے بعد جنید کی محبتوں نے

سائرہ کی زندگی کو سرشار کر دیا، جنید نے اسے اس قدر چاہا کہ وہ ماضی کی ساری تلخیاں بھول گئی۔

خدا کے بعد وہ آغا محمد کی کرم نوائی پر تہہ دل سے شکر گزار تھی کہ اسے جنید خان جیسے ہم سفر سے ملوایا۔جنید تو پہلے سے ہی آغا محمد کی ایک پکار پر سو بار لبیک کہتا تھا، اور شادی کے بعد اس کی نیازمندی میں مزید اضافہ ہو گیا۔اپنے سارے معاملات میں اس سے مشورے لیتا۔آغا بھی اس رشتے کا پاس رکھتے ہوئے اس کی رہنمائی کرتا۔جب سائرہ ماں بنی تو آغا نے ساری ضروریات اور لوازمات پوری کیں ۔بڑی دھوم سے ان کے بیٹے کا عقیقہ کیا اور سارا خرچ خود اٹھایا۔خدا نے اتنی نعمتیں ایک ساتھ سائرہ کی جھولی میں ڈال دیں کہ اس کے لیے سنبھالنا مشکل ہو گیا وہ ہر وقت اپنے خوبصورت بیٹے کو دیکھتی اور خدا کا شکر ادا کرتی۔ جب بیٹے نے بولنا شروع کر دیا تو جنید کو تسلی ہو گئی کہ اب سائرہ تنہا نہیں اس سے بولنے، بات کرنے کے لیے اس کے جگر کا ٹکڑا کافی ہے۔اس اطمینان میں وہ کاروبار کے سلسلے میں اکثر کئی کئی دن باہر رہ جاتا۔اس کی غیر موجودگی میں آغا سائرہ کی خیریت لے لیا کرتا اس طرح وہ بھی مطمئن رہتی ۔لیکن ہر ملاقات کے بعد آغا کا سکون و چین چھن جاتا وہ رات بھر کروٹیں بدلتا۔گویا شعلے اس کے تن بدن کو دہکا رہے ہوں جسے بجھانے کے لیے سرد سے سرد چیز بھی ناکافی ہوتی۔

ایک زمانہ ایسا آیا کے جنید کے کاروبار میں گراوٹ آ گئی اور اس کا زیادہ تر وقت آغا کے ساتھ سیاسی کاموں میں گزرنے لگا۔آغا پوری کوشش کرتا کہ جنید اس کے ساتھ رہے یہاں تک کہ کئی کئی ہفتے گزر جاتے اور وہ جنید کو گھر جانے کی فرصت نہ دیتا۔ایک دن کار ایکسیڈنٹ میں جنید کی موت ہو گئی ۔سائرہ کی تو جیسے دنیا ہی اجڑ گئی ۔کیسے، کیوں، کیا ہوا سائرہ نے کوئی سوال نہیں کیا۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

جنید کے بعد سائرہ اور اس کے بیٹے کی ذمہ داری آغا نے لے لی۔ اچھے اسکول میں اس کے بیٹے کا ایڈمیشن کرا دیا اور سائرہ کی نوکری بھی لگوا دی۔ ہر طرف آغا کی نیک نامی کے چرچے زور شور سے ہونے لگے۔ آغا ہر دوسرے دن اس کے گھر آتا۔ رفتہ رفتہ اس کی نشستیں لمبی ہونے لگیں، اس کے پاس اس کا جواز بھی تھا جس سے وہ بیوی اور بیٹوں کو مطمئن رکھتا۔ لیکن آغا کا ضرورت سے زیادہ آنا اور بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنا سائرہ کو ناگوار گزرتا مگر اس کے احسانوں سے اس قدر گراں بار تھی کہ احتجاج کی ہمت نہیں ہوتی۔ آخر ایک دن آغا حیوانیت پر اتر آیا۔ سائرہ نے اپنے بچاو کے لیے اسے زور سے دھکا دیا اور اس کا سر لوہے کے دروازے سے جا ٹکرایا، تازہ تازہ خون کان اور ناک سے بہہ نکلا تھوڑی دیر تڑپتا رہا اور پھر۔۔۔۔

سائرہ کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا کانپتے ہاتھوں سے اس نے لاکر سے کچھ روپیے لیے اور کپڑے بدل کر بیٹے کو اسکول سے لے کر انجان راستوں پر چل نکلی۔ اپنے بچاو کے لیے اسے یہی ایک ترکیب نظر آئی کہ وہ سرحد پار نیپال میں داخل ہو جائے۔ جیسا کہ آئے دن چھوٹے موٹے مجرم سزا کے خوف سے جاتے رہتے ہیں۔ اگر صلح ہو کر معاملہ رفع دفع ہو گیا تو بہتر۔ ورنہ اگر جرم سنگین ہوا تو سالہا سال غریب الوطنی کا دکھ سہنا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرحد سے لگے علاقوں کی بیشتر آبادی مختلف مذاہب کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ ان سب کے میل جول سے ایک انوکھی تہذیب وجود میں آ گئی ہے۔ جہاں پر ہر شخص مختلف زبانیں کم از کم اردو، ہندی، نیپالی اور اودھی بول ہی لیتا ہے۔

اپنے وطن سے دور جانے کے تصور سے اس کا دل بیٹھنے لگا۔ ایک لمحہ کے لیے اسکے دل میں آیا کہ واپس چلی جائے ملک بہت بڑا ہے کہیں بھی گم نامی کی زندگی بسر کر لے گی۔ مگر اگلے ہی لمحے آغا محمد کے پرجلال بیٹوں اور اس کے اقتدار نے اتنی زور سے گھڑکا کہ

وہ لڑکھڑا کر زمیں بوس ہو گئی۔ جیل کی سلاخیں اور صلیبیں اس کے سامنے ہاتھ پسارنے لگیں اور اپنے بچپن کی کسمپرسیاں یاد آ گئیں وہ اپنی طرح اپنے بیٹے کو یتیم خانے میں نہیں دیکھنا چاہتی تھی اس خیال سے ہی اس کی روح گویا پرواز کرنے لگی۔ آخر اس نے لرزتے قدموں سے سرحد پار کر لی۔

کئی سال تک آغا کے قاتل کو تلاش کیا جاتا رہا، بڑی مشکل سے سراغ ملا کہ وہ نیپال میں ہے۔ مگر ایک غریب دکھیاری پر کون شک کرتا۔ سائرہ کو وہاں کچھ دنوں تک در در کی ٹھوکریں کھانی پڑیں پھر جلد ہی صورت حال میں بہتری آ گئی۔ لیکن دل کی حالت بہتر نہ ہو سکی وہاں کی مٹی میں نہ وہ خوشبو، نہ وہاں کے قومی گیت میں روحانیت، نہ کلچر میں جاذبیت، اور نہ ہی وہ صبحیں اور شامیں۔ سب کچھ اجنبی سا لگتا۔ کبھی کبھی دل تڑپ سا جاتا کہ ایک بار جا کر اپنی سرزمین کا بوسہ لے، اپنے گھر جا کر جنید کی محبت کو محسوس کرے، اس کے ہاتھوں کی لائی ہوئی چیزوں کو سینے سے لگائے اس کے تحفوں کو سیکڑوں بار نہارے۔ ہر سال وہ ترنگے بناتی اور یوم آزادی کا جشن اپنے بیٹے کے ساتھ مناتی۔ حلیہ بدل کر آشرم کی دوستوں کے یہاں جاتی چند لمحوں کے لیے اپنی جنت نظیر سرزمین کو گلے لگاتی اور پھر لوٹ آتی۔

اس کا بیٹا اس کی اس حرکت سے بہت نالاں رہتا، اکثر جھنجلا اٹھتا اور کہتا ''آخر اس ملک سے اتنی محبت کیوں ہے؟ جس کے قومی رہنماوں نے آپ کا ہر سکھ چھین لیا۔ جس نے آپ کو در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کیا۔ جہاں سیکڑوں گنہ گاروں کے لیے جائے پناہ ہے اور ایک نادان مجرم کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ سائرہ جواب دیتی کہ ''جس سرزمین نے میری پرورش کی ہے وہ آغا جیسے مجرموں کو جنم نہیں دے سکتی۔'' اس سرزمین نے تو جاں باز پیدا کیے ہیں تم نے اس ملک کی تاریخ نہیں پڑھی ہے کہ کس طرح ان عظیم ہستیوں نے خون دے کر ملک کے خدوخال، تہذیب اور روایات کو محفوظ کیا۔ ایک دن ایسا ضرور آئے گا

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

جب آغا جیسے ہوس پرستوں سے ملک آزاد ہو جائے گا۔اور میرے ملک کے غمگسار میری نادانی کو درگزر کر دیں گے۔وہ کہتا امی جان یہ صرف رات کا غرور ہے۔جس کی قسمت میں ٹوٹنا لکھا ہے۔شام ہوتے ہی رات اترانے لگتی ہے کہ چاند اسے مزین اور روشن کرے گا مگر اس کے عروج کے کچھ ہی گھنٹوں بعد سارا گمان ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے۔اور آفتاب کا قبضہ ہو جاتا ہے۔۔وہ صرف مسکراتی اور کہتی ''بیٹا تیری باتوں میں وہی جوش اور خوشبو ہے جو میں محسوس کرنا چاہتی ہوں۔''

۱۶اگست کی نیوز سے معلوم ہوا کہ BSF کی ٹیم نے کمال کر دکھایا اور ایک قاتل کو سرحد پار کرتے ہوئے گرفتار کیا۔وہ قاتل خود کو وطن پرست بتا کر دفاع کرنا چاہتی تھی۔

اس طرح سائرہ نے ترنگے کو سلامی دینے کے لیے زندگی داؤ پر لگا دی۔دل کو برف کی طرح سخت کر دینے والی سردی اس کے اندر اترتی چلی گئی جو ہاتھوں کی ذرا سی گرمی سے پانی ہو جائے۔اسی لیے سائرہ اب بھی پرامید ہے۔

☆☆☆

(ماہنامہ،سب رس،۲۰۱۵،حیدرآباد)

عجیب سکھ

جس کلی کو چمن کی زینت کے لئے بنایا گیا وہ دھوپ میں جھلس رہی ہے۔سرمئی آنکھوں کی شراب،چمپئی رخساروں کا رس سورج کی آتشی کرنیں پی رہی ہیں۔جن ہاتھوں کو مہندی کے سرخ رنگ سے مزین کرنے کے واسطے بنایا گیا تھا وہ مفلسی کا بار اٹھانے پر مجبور ہیں۔مانو قدرت نے قوت گویائی چھین کر موسیقاروں کی بستی میں بھیج دیا۔

چچی آپ زیادہ پریشان نہ ہوں اس کی زندگی پہلے سے بہتر کٹ رہی ہے۔وہ اس وقت دوحہ میں ہے۔میں نے جب اسے دیکھا تو آنکھوں پر یقین نہیں آیا کہ یہ یہاں کیسے؟ مگر جب قریب سے دیکھا تو واقعی نصیبن ہی تھی۔رافعہ نے کہا۔

بہنی انور بابو تو کہت رہیں کہ انڈونیشیا میں ترکاری بیچت ہی۔

''ارے نہیں چچی وہ دوحہ میں ہے''

''کا کری کبھی کوئی کچھ کہت کبھی کچھ ککرے بات پہ یقین کری ہمکے تو کوتو مطلب ناہی بس یہی دونوں لڑکن کے چھوڑ گئی ہی ہمرے سر کے بوجھ ہیں۔اپنا تو کھوب الم گلم مارت ہی''

یا خدا تیری قدرت کا کیا کرشمہ ہے؟ لوگ جس درد کا تذکرہ اتنی تلخی سے کرتے ہیں کاش اسے محسوس کر کے آزماتے،اس کے اپنوں نے درد کو نہیں پہچانا ایسی صورت میں تو مایوس ہونا لازم تھا۔اس کی زندگی بہتر کٹ رہی ہے؟؟

اس کی زندگی بہتر کٹ رہی ہے؟؟؟؟

○

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

محرم کا چاند نکل آیا تھا۔یا حسین یا علی کی صدائیں گونجنے لگی تھیں۔ پورا علاقہ ماتم کناں تھا،اس کی مانگ سونی ہوگئی ہاتھوں کی چوڑیاں بکھر گئیں، پیروں کے گھنگرو اتر گئے لبوں کی سرخی نیلاہٹ میں تبدیل ہوگئی۔ننکو، چتکو یتیم ہوگئے۔زندگی کی خوشیاں اندھیری رات کی تاریکی میں سمٹ گئیں۔غم کے بادلوں نے آگھیرا۔

دستک کے بغیر دروازہ کھلا..اس کا سسر اندر آیا۔

وہ دودھ پیتے چتکو کو چھاتیوں سے الگ کر کے جھٹ سے اوڑھنی اوڑھ کر کھڑی ہوگئی۔

''ہم سوچ رہے ہیں کل تم کو تمہارے مائکے بھیج دیں ماں بہنوں کے ساتھ رہ کر تمہارا غم ہلکا ہو جائے گا''

ناہیں ابا جی ہم ٹھیک ہیں ہم اپنا گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے''

''اری دلہن میری مانو تو تمہارا مائکے جانا ٹھیک رہے گا''

گورکھپور سے پیسنجر ٹرین کا ٹکٹ لے کر وہ بلرامپور کے لئے روانہ ہوگئی۔

''اماں کیلا خرید دو، اماں مونگ پھلی والا آرہا'' دونوں بچے چلا رہے تھے ایک عورت نے ٹہوکا دیا رات بھر سوئی نہ کا، دیکھ بچہ کا مانگ رہا ہے۔ایک لڑکی گردن میں ڈھولک ڈالے تان لگا رہی ہے۔

جی دکھتا ہے کیسے توڑوں...چھوٹی چھوٹی ننھی ننھی پیاری کلیاں''

نصیبن سر جھکائے دوپٹہ سے منھ لپیٹے بیٹھی تھی ۔لڑکی نے کہا '' کا ہے سر نیہوڑائے بیٹھی ہیو؟ گانا سنائے ہن کچھ تو دے دیو''۔

وہ کہاں سے دیتی اب خود دوسرے کی نوازشوں کی محتاج تھی۔ٹرین بلرامپور پہنچ گئی اس کی اماں اسٹیشن پر کھڑی انتظار کر رہی تھیں قسمت کے شکنجوں سے مجبور فاقہ کے اثر

سے چہرہ مرجھایا ہوا تھا دنیا کی بے مہری کا تماشہ آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں۔

پورے محلے میں تہلکہ مچ گیا''نصیبن آئی ہی'' دالان رونے کی صدا سے گونج رہا تھا اس کی دادی جوان پوتی کے بیوہ ہونے پر غم کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہوگئی۔افلاس کے آرے باپ کے جگر کو چھلنی کر رہے تھے غم سے نڈھال ہو کر دیوار کا سہارا لینے پر مجبور تھا ،بہنوں نے سفید چادر ہٹا کر اسے اماں کا دوپٹہ اڑھا دیا۔

چار مہینے گزر گئے سسرال سے کوئی خیر خیریت لینے نہیں آیا۔

دونوں بیٹے دادا کو بہت یاد کرتے ہیں'' ہری رام پی،سی،او پر فون آیا ہے نصیبن کو بلا رہے ہیں۔

''ہاں بہو تم ایسا کرو کہ اپنی ماں کے پاس ہی رہو یہاں آ کر کیا کرو گی کون تمہاری دیکھ بھال کرے گا وہاں تو سب تمہارے ہیں یہاں پر کون سہارا ہے؟ اور مہینہ دو مہینہ پر روپیہ بھیج دیا کروں گا۔

''ارے دوئی سال ہوگوا روپیہ کے نام پر چونی نائی آوا۔ایکر سسر سارکل بازار میں ملا رہا'' کہت رہا کچھ حصہ نصین کے نائی دیب''

پردھان جی کہہ رہے ہیں سسرال والوں سے اپنا حصہ لینے کے لئے مقدمہ لڑنا پڑے گا مگر بہت روپیہ لگے گا۔آپ لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے،اماں کہاں تک پورے گھر کو سنبھالیں۔ایک طرف ابا کی بیماری دوسری طرف جوان جوان بہنوں کی شادی،ننکو، چتکو بھی اسکول جانے لائق ہوگئے ہیں۔ان میں اتنی استطاعت ہے نہیں کہ انھیں اسکول بھیجیں۔

کہاں تک بیتے دنوں کا سوگ مناتی دکھ درد کو دامن میں سمیٹے آنکھوں میں اداسی لئے زندگی بسر نہیں ہوگی.....

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

بکریاں چراتے چراتے جنگلوں سے لکڑیاں ڈھوتے ڈھوتے پیروں میں چھالے پڑ گئے۔مسالہ پیستے پیستے اس کے ہاتھوں میں گٹھے پڑ گئے پھر بھی سکون کی روٹی میسر نہیں۔بے حسی نے احساس کو ختم کر دیا، کنکروں پتھروں پر بھی نیند آجاتی ہے۔

پھر بھی پورے خاندان کی نظر اسی پر ہے کہ'' کیسے ان گڑھے موٹی ہوتی جارہی ہے آنکھوں میں پانی اتر آیا نہ تو شرم باقی ہے نہ کسی کا لحاظ دن بھر ادھر اُدھر دندناتی پھرتی نہ جانے خدا نے کس مٹی سے گڑھا ہے۔

اماں کہہ رہی ہیں'' نصبین اپنے لڑکن کے سمھار (سنبھال) لے اہر اُوہر (ادھر ادھر) چوری چندالئی کرت ہیں عمر بھیا کے بگیا میں سے آم چرائے لائن ہیں ور ہنا دیت رہیں''

بڑی امی طعنے دے رہی ہیں'' ارے رانڈ بیٹی کو سر پر بیٹھا کر دھندا کروا رہی ہے'' خود جیسی تھی بیٹی کو بھی ویسا بنا دیا''

قسمت نے اماں کے ساتھ بھی بڑے کھیل کھیلے ہیں، جب فساد ہوا تھا تو نصبین پیٹ میں ہی تھی بھاگم بھاگ مچا تھا کوئی کسی کا پرسان حال نہیں تھا اماں ڈھا کے چلی گئیں تھیں ایک سال تک عبدالصمد نام کے قصائی کے یہاں رہ آئیں جب معاملہ ٹھنڈا ہوا تو ابا کے بڑے رونے دھونے پر حاجی چاچا اماں کو لے کر آئے تھے اماں کہتی ہیں کہ عبدالصمد نصبین کے پیدا ہونے پر بڑا خوش ہوا تھا۔اپنی بیٹی کی طرح پیار کرتا تھا اماں جب واپس آرہی تھیں تو عبدالصمد بڑا جذباتی ہوا تھا۔

تب سے ان کے ساتھ یہ جملہ لگ گیا کہ ارے سات مردوں کا مزا چکھی ہوئی ہے تو ایک مرد پر کیسے دل ٹکے گا۔بیٹی بھی اسی پانی پر گئی ہے۔

سہرن کی اماں کہہ رہی ہیں اچھا برا دیکھ کر بیٹی کی کہیں شادی کر دو تمہاری عمر بھی

ڈھل رہی ہے ہر طرف سے تمہیں طعنے ملتے ہیں کہ رانڈ بیٹی کو بٹھائے ہے۔چنکوا اتنا بڑا ہو گیا ہے اگر چاہتی تو چینی فیکٹری میں بھیج دیتی روز کا سو دو سو کما کر آتا 12 سال کا ہو گیا مگر وہی 2 سال کے بچے کا دلار دیتی ہے۔

سلیم بھائی یہاں کی کوٹھی چھوڑ کر کاٹھمانڈو میں رہنے لگے ہیں، وہاں بڑا بھاری مکان بنوایا ہے، اتنا سندر ہے کہ دیکھو تو پلک نہ جھپکے، دو بیٹے ہیں ایک مبارکپور میں ساڑیوں کا کاروبار کرتا ہے دوسرا بیٹا نائجیریا میں بیوی بچوں سمیت رہتا ہے۔سلیم بھیا کی بیوی بھی کبھی نائجیریا میں رہتی ہیں تو کبھی ممبئی میں بیٹی کے ساتھ۔اور سلیم بھیا کا ممبئی میں بھی بڑا نام ہے کرلا میں ایک بلڈنگ ان کے نام پر چلتی ہے اور ممبرا میں سیٹھ کہے جاتے ہیں یہاں جب بھی آتے ہیں تو پورے محلے والوں کے لئے کچھ نہ کچھ تحفہ ضرور لاتے ہیں بڑے دلدار ہیں روپیہ پانی کی طرح بہاتے ہیں۔

موصوف کی اس قدر قصیدہ خوانی کا مقصد نصبین سمجھ نہیں پائی۔

''نصبین کی اماں فیصلہ کر کے تم بتاؤ کیا کہہ رہی ہو؟ اور دیکھ نصبین تم تو مطلب سمجھ ہی رہی ہوگی میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں؟

پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے نصبین نے کہا: چچی میں نہیں سمجھی۔

ارے پگلی! ذرا قریب آکر پھسپھسائیں۔

سلیم بھیا آئے تھے تو کہہ گئے تھے کہ کوئی عورت تلاش کر دو جو اچھی ہو، اماں کی دیکھ بھال کرے۔بڑا اچھا موقع ہے تم چلی جاؤ بہت عیش کی زندگی ہو جائے گی۔کوئی زیادہ کام وام نہیں کرنا پڑے گا پورا گھر تو باہر رہتا ہے صرف سلیم بھیا گاہے بگاہے آجاتے ہیں گھر کی صفائی دیکھ بھال کے لئے تو نوکر لگے ہوئے ہیں بس کل ملا کے ان کی اماں کو ذرا سا سہارا دینا ہے۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

لیکن چچی اپنے بچوں کو چھوڑ کر نہیں رہ پاؤں گی۔

تو ٹھیک ہے، چھوٹے والے کو لے جانا اور بڑے والے کو تو یہیں کسی فیکٹری میں بھرتی کر دو۔

رات کا آخری پہر بھی بیت گیا ستاروں کی آنکھیں بند ہونے لگیں آسمان پر سفر کرتا چاند بھی دیکھتے دیکھتے اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ بے خواب آنکھوں کے سامنے آنے والے لمحوں کی کشمکش گردش کر رہی تھی۔ اس کھوکھلی زندگی میں کتنے موڑ آئے۔۔ پہلے بیٹی پھر بیوی، پھر اب کسی کے محل کی نوکرانی کوئی مداوا نہیں پورے وجود پر بے بسی کی چادر لپٹی ہوئی ہے۔

○

نصیبن کو کاٹھمانڈو گئے ہوئے چھ مہینے ہو گئے۔ سلیم کی ماں بڑی شفیق ثابت ہوئیں۔ کاموں کا زیادہ بوجھ نہ ڈالتیں، بچے کو بھی پیار کی نظر سے دیکھتیں۔ شام میں پہاڑیوں کی سیر کو جاتیں تو ساتھ لے جاتیں ایک دو بار تو دوسرے والے بیٹے چنکو کو بھی پوچھا اور اسے یہاں بلانے پر مصر تھیں۔

ایک دن انہوں نے کہا۔ نصیبن بیٹی میں دو دن کے لئے پوکھرا جا رہی ہوں مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے کہ گھر کا خیال رکھو گی تمہارے سہارے چھوڑ کے جا رہی ہوں۔ اور اگر کوئی ضرورت پڑے تو پیسے رکھ لو کسی نوکر سے منگوا لینا۔

کس قدر نیک منش خاتون ہیں۔ نیک دل ہستیوں میں دہر کی محسوب!

انہوں نے نصیبن کو پورے مکان کی نگہبانی تو سونپ دی مگر اس کی پاسبانی کرنے والا کوئی نہیں رہا کب تک تلخی زمانہ سے خود کو بچائے رکھتی آخر کار ننھی سی لہر کو موجوں نے آ کر گھیر ہی لیا۔ رات گہری ہو چکی تھی بجلی کی کڑک سے نصیبن کی خواب آگیں آنکھیں کھل گئیں۔ بادلوں کی گڑگڑاہٹ سے خوف کھا کر ننکو ماں کے سینے سے چمٹ گیا دروازے پر

دستک ہوئی خوف کے مارے پورا بدن سن ہو گیا۔ آخر اتنی رات گئے کون آیا ہے؟

دروازہ کھولا تو سامنے سلیم سیٹھ کھڑے تھے۔

نصیبن نے یکلخت پوچھا ''بھیا کوئی کام ہے کیا۔''

بس تمہیں دیکھنے آیا تھا۔

نصیبن کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنی شرافت اور عظمت کا لباس اتار کر درندگی کا لبادہ اوڑھ کر آئے ہیں۔

انہوں نے اس کی سونی کلائیوں کو پکڑ لیا اور قریب کرتے ہوئے کہا۔

یہ جوبن میرے لئے جان لیوا ہے۔ نصیبن! خود پر قابو کرتے کرتے ٹوٹتا جا رہا ہوں، دن کا چین راتوں کی نیند تمہارے خاموش ہونٹوں نے چھین لی ہے۔ تمہارے جسم کے دلآویز خطوط میرے ذہن سے ہٹتے نہیں۔ اتنا کہتے کہتے انھوں نے نصیبن کو۔۔۔

چیخنے کے لئے لب کھلے ہی تھے کہ بے بسی کے تالے نے انھیں بند کر دیا زبان گنگ ہو گئی دہشت سے پورا بدن کانپنے لگا۔

نگار عصمت وعفت، مقیم جلوہ گاہ راز آوارہ رسوا ہو گئی۔

صبح ہوئی تو آنکھیں مثل شفق سرخ ہو رہی تھیں، ضبط غم سے دل ریزہ ریزہ ہو رہا تھا، درد سے سر پھٹا جا رہا تھا اور ہونٹ سوجے ہوئے تھے۔

یا خدا اس ذلت کی روٹی سے تو بہتر ہے کہ موت آ جائے اس کے سینے سے بے بسی کا دھواں اٹھ رہا تھا۔

نوکر نے آ کر بتایا کہ سلیم سیٹھ جی بلرامپور جا رہے ہیں اگر کوئی خبر بھیجوانا ہے تو بتا دو''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

چتکو ہوٹل میں برتن دھوت بھیا۔اور اپنے ماں کے لیے بہت روت ہے نصیبن کیسن ہے ٹھیک ہے کام وام کرت ہی کہ نا ہیں۔

وہاں اسے کوئی تکلیف نہیں ہے۔صرف امی جان کی دیکھ بھال تو کرنا ہے۔سلیم سیٹھ نے کہا۔

''بابو چتکوا کے اب کی کاٹھمانڈو لیے جاؤ''

چھوٹے سیٹھ جی باہر رہتے ہیں بہو آفس جاتی ہیں ان کے بچے کو کوئی دیکھنے والا نہیں ہے فون کیا تھا کہ کوئی مل جائے تو بھیج دو اسی لئے میں سوچ رہا ہوں اسی کو بھیج دوں''

''ناہیں سیٹھ جی اتنا دور نائی رہ پائی'' اچھا ایکر فوٹو لے جا کر نصیبن کو دے دیو''

''میں آج تو باہر جا رہا ہوں ایسا کرو کہ ملازم جو میرے ساتھ آیا ہے اس کے ہاتھ سے بھیج دو' اور ایک ہزار روپیہ رکھ لو بچوں کے لئے کپڑے وغیرہ لے لینا۔میں چلتا ہوں۔

سلام الیکم بھیا۔جلدی آئیو تہرین کے بنا بلام پور (بلرامپور) سون لاگت ہے''

سورج کی سنہری کرنیں زمین پر آخری ضرب لگاتے ہوئے بلند و بالا پہاڑ کی چوٹیوں کے عقب میں چھپنے لگی تھیں سارے ملازم اپنے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے دوسرے دن سلیم کی ماں واپس آنے والی تھیں۔سلیم سیٹھ گاؤں جا چکے تھے۔نصیبن نے موقع غنیمت سمجھا اور بچے کو ڈاکٹر کے یہاں لے جانے کا بہانہ کر کے نکل آئی۔اس طرح گھٹن زدہ ماحول سے نکل کر اس نے سکون کی سانس لی۔لیکن باہر آنے کے بعد نہ تو کوئی اس کی زبان سمجھ رہا تھا نہ ہی یہ بتانے والا تھا کہ کون سی گاڑی اسے اپنے گھر پہنچائے گی تھوڑی دیر ادھر اُدھر چکر کاٹنے کے بعد ایک شخص نے اپنی ٹوٹی پھوٹی ہندی میں بتایا کہ یہاں سے دائیں ہاتھ مڑ کر دکھن میں بس اسٹینڈ ہے وہاں سے اسے گاڑی مل جائے گی۔

صبح سویرے سلیم کی ماں پوکھرا کی سیر سے واپس آ گئیں گیٹ کیپر نے بتایا کہ نصیبن شام میں ہی نکلی تھی واپس نہیں آئی۔سلیم سیٹھ بھی دوسرے ہی دن باخبر ہو گئے کہ وہ بھاگ گئی۔وجہ تو معلوم ہی تھی مگر پھر بھی سارے نوکروں کو ڈانٹا پھٹکارا ایک مہینے کی تنخواہ ضبط کر لی۔

خوف کا پرندہ سر پر منڈلا رہا تھا۔گھر پہ چھوٹی بہن کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہوں گی سوچا تھا نئے کپڑے اسی کو دے دوں گی۔نصیبن نے سوچا۔

آنکھوں میں سرمہ بھرے ہاتھ میں تسبیح لئے سہرن کی اماں داخل ہوئیں، سنا ہے نصیبن کاٹھمنڈو سے بھاگ آئی ہے'' ارے یہ کیسی عورت ہے ایک در پر سکون نہیں رہتا وہاں پہ نہ کچھ کرنا نہ دھرنا صرف بیٹھ کے روزہ نماز کرنا تھا تو کیسے رہ لیتی، اس گلی اس گلی گھومنے کو نہیں ملتا رہا ہوگا ادھر اُدھر نظارہ بازی کا موقع نہیں ملتا ہوگا۔سہرن کی اماں چپ ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

آپ صحیح تو کہہ رہی ہیں چھوٹی بہن کی شادی ہونے والی ہے۔بوبو نے آس پاس کے گاؤں سے مانگ جانچ کے جہیز کا انتظام کر دیا ہے۔صرف باراتیوں کے کھانے کا انتظام کرنا رہ گیا تھا۔امید تھی کہ سلیم سیٹھ سے مانگنے پر فوراً مل جائے گا مگر اس مردانی نے تو بہن کو بھی اپنے ساتھ برباد کر دیا۔بھاگ کر چلی آئی کس منھ سے ان کے سامنے ہاتھ پھیلانے جائیں گے۔تائی اماں نے کہا۔

سنجو کو مہندی لگ رہی ہے۔ڈھولک لئے لڑکیاں گا رہی ہیں''ہاتھ پہ کچھ مہندی کی لالی....ارے ہاتھ پہ کچھ مہندی کی لالی کچھ ساجن کا پیار۔صندل ایسی پیشانی پر۔ہورے صندل ایسی پیشانی پر...بندیا لائی بہار...بندیا لائی بہار۔

اوئے ہوئے کل باراتیوں کے ساتھ دولہے راجہ آئیں گے اور دلہنیا کو اڑا کے

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

لے جائیں۔

یہی سماں تھا جب سسرالیوں کی طرف سے مہندی آئی تھی۔ نندیں گا رہی تھیں بیتے دن سوکھے پتوں کی طرح بکھر گئے۔ نصیبن کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

لگ رہا ہے نصیبن میری پگڑی اتروا کے رہے گی۔ کھانے کا انتظام کہاں سے کروں؟

''یہ تو ابا کی آواز ہے۔ اس کے وجود کے اتنے ٹکڑے ہو گئے کہ سمیٹنے کے قابل نہیں رہی وہ خشک آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر لئے بیٹھی تھی اس کے کرب کو کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا ایک طرف گھر والوں کی عزت کی لاج دوسری طرف اپنی عصمت کا سودا۔ ٹوٹتے بکھرتے رشتوں کے خاطر اسے یہ قربانی دینی ہی تھی۔

○

سورج مغربی افق کی جانب جھکتا چلا جا رہا تھا۔ ترسولی ندی کے کنارے دور دور تک سورج مکھی کے زرد پھول اس کے زخموں کی طرح لہلہا رہے تھے، کہیں کہیں پہاڑوں کے دامن میں بڑے بڑے جھنڈ کی شکل میں پھولوں کے گچھے اوپر سے گلابی اور نیچے سے سفید آسمان کے رخ پر پیالوں کی طرح منھ کھولے کھڑے تھے۔ لہروں کے شور کے علاوہ پوری فضا خاموش تھی۔ جیسے جیسے کاٹھمانڈو قریب آتا گیا اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی گئی۔

سیٹھ صاحب مجھے معاف کر دیجئے غلطی ہو گئی۔ بنا بتائے بھاگ گئی خدا کے لئے باراتیوں کے سامنے میرے باپ کی عزت رکھ لیجئے آپ جیسا کہیں گے میں ویسا ہی کروں گی۔ میں آپ کی۔۔۔۔۔

تیز آری سے اس کا وجود کٹتا چلا گیا۔

''ٹھیک ہے انصاری ہوٹل فون کر دیتا ہوں'' سلیم سیٹھ نے کہا۔

سجو کی شادی ہو گئی دلہن بن کے سسرال چلی گئی۔ اماں نصیبن کو بددعائیں دے رہی ہیں۔

''کرم جلی نہ جائے کہاں سے ہمرے کوکھ میں جنم لے لیہس رہا پہلے تو وہاں سے بھاگ آئی سادی میں اڑنگا ڈالس اور پھر نہ جانے کے کر دیوانی رہی سادی کے دن پھرار ہوئے گئی۔ اللہ کری تو سکھ کے دانہ نصیب نہ ہوئی اللہ تعالی انصاری ہوٹل والے کے بہوت کچھ دیئں کہ باراتن کے کھانا کھلائے دہن''

پورے علاقہ میں خبر پھیل گئی کہ نصیبن بھاگ گئی۔ اس نے کسی سے شادی کر لی ہے۔ ببلو بابو کہہ رہے کہ دلی میں نظر آئی تھی، شبیر پردھان کہہ رہے کہ دبئی میں مصری کے ساتھ رہتی ہے۔ جتنے منھ اتنی باتیں سننے میں آ رہی ہیں۔

○

رافعہ کی ریسرچ ''عرب کے صحراؤں میں کھیتی باڑی کے امکانات'' پر ہے۔ اس لیے وہ مختلف عرب ممالک کے دورے کر چکی ہے پچھلا سفر اس نے قطر کا کیا تھا۔ قطر کے ریگستانی سفر کے دوران ایک دن اس کی ملاقات ایک بوڑھے اونٹ سوار سے ہوئی۔ اس کا سفید عمامہ اور چاندی کی طرح سفید داڑھی گرد آلود تھی اور وہ اونٹ کی نکیل کھینچ کر تیزی سے ہانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بلبلاتے ہوئے اونٹ نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ پھر وہ دریا کے کنارے پہنچا گھاٹ پر اونٹ کو پانی پلایا اور خود بھی نیچے اتر کر گھٹنوں کے بل ریت پر بیٹھ کر چلو سے پانی پیا۔

دریا کے کنارے ایک کھلے اور وسیع میدان میں لکڑی کی شہ نشیں کے اوپر اطلس

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

کے شامیانے لہرا رہے تھے۔ رافعہ وہیں بیٹھی سارے مناظر دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بوڑھا بھی ستانے کے خاطر وہاں آ گیا۔

بوڑھے شخص نے رافعہ کا حلیہ دیکھ کر اس کے متعلق دریافت کیا۔ رافعہ نے اپنے مقصد کی وضاحت کی۔ بوڑھے شخص نے بتایا کہ وہ بھی سیاحت کی غرض سے یہاں آیا ہے اس کے آباء واجداد بغداد کی سرزمین سے تعلق رکھتے تھے مگر جب ہلاکو خاں نے اس ملک کو تباہ و برباد کر دیا تو انھوں نے خود ساختہ جلاوطنی اختیار کر لی۔ اور اب میں اپنے آباء واجداد کی نشانیاں تلاش کرنے یہاں آیا ہوں۔

رافعہ نے کہا میرا اور آپ کا مقصد ایک ہی ہے کیا آپ میری مدد کریں گے۔ اس نے کہا ضرور۔

اس نے بتایا کہ میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا کیوں کہ مجھ پر ایک دوشیزہ کی ذمہ داری ہے وہ اپنے مالک سے تنگ آ کر دریائے دجلہ کے بادبانوں کی خدمت گزاری کر رہی تھی میں نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ اس کا مالک اسمگلروں کا سرغنہ ہے اور پورے سال مختلف ممالک کے سفر کرتا ہے بڑا عاشق مزاج عیاش ہے، اس دوشیزہ کو ساتھ رکھتا ہے لیکن جب بیرون ملک جاتا ہے تو یوروپی لڑکیوں سے معاشقے کرتا ہے، اس غریب کو اکیلے شہر میں چھوڑ کر مہینوں غائب رہتا ہے اور اپنے جاسوسوں کو اس کے پیچھے لگا دیتا ہے اس کی غیر حاضری میں ہمیشہ وہ بھاگ کر کسی نہ کسی کرم فرما کے سائے میں پناہ لیتی ہے اور جاسوس اس کا سراغ لگا لیتے ہیں مگر اس بار میں اس مظلوم کو خبیث کے چنگل سے آزاد کرا کے رہوں گا باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں بل کھاتی ہوئی پگڈنڈی پر پہنچ گئے۔

اس نے بتایا کہ اس کا خاندان مختلف ملکوں لبنان، سیریا، کویت، قطر وغیرہ میں مقیم ہے اس لئے وہ ان جگہوں کی سیر کر چکا ہے اور ان کے ریگستانی زمینوں میں کن

چیزوں کی فصلیں اگائی جاتی ہیں اس کے متعلق بھی کافی معلومات ہے۔

رافعہ بہت خوش تھی۔ بوڑھے نے کجاوے کی پشت پر ٹیک لگا کر اونٹ کی رفتار تیز کر دی اور گانے لگا بوڑھے کی جوان اور توانا آواز میں تانت کے باجے کی طرح سوز و فریاد کرنے والی شہنائی جیسا مغموم انداز تھا۔ رافعہ کو محسوس ہوا کہ اس کی آواز سے فضائیں وادیاں اور دریاؤں کی لہریں رقصاں ہو گئی ہیں۔

سورج غروب ہونے سے پہلے دونوں سرائے پر پہنچ گئے۔ آبنوس کی کرسی پر بیٹھی ایک لڑکی دیوار پر آویزاں تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ تاریکی اپنے پنکھ پسارنے لگی تب اس لڑکی نے اپنی چادر ہٹائی اور خالص ہندوستانی انداز میں آ کر کہا۔

السلام علیکم۔

رافعہ انگشت بدنداں رہ گئی۔

☆☆☆

(ماہنامہ انشاء، کلکتہ، دسمبر 2015)

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

ذکیہ تاب زریں

مارچ کی ۱۵ تاریخ تھی ۔ یونیوسٹی گیسٹ ہاؤس فل ہو چکا تھا۔فنون لطیفہ پر سہ روزہ پروگرام ہونے والا تھا جس میں ملک و بیرون ملک سے اعلی درجہ کے نقاش و بت تراش، شاعر و ادیب شرکت کرنے والے تھے، مہمان خصوصی کی آمد کا انتظار تھا۔جس کے اہتمام میں پورے کیمپس کو اس طرح پھولوں سے سجایا گیا تھا گویا بہار کا موسم آ گیا ہو روشنی سے آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں ۔استقبال کے لئے سفید پوش والنٹئر ز نگاہیں فرش راہ کئے ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ لئے کھڑے تھے اور جگہ جگہ محرابوں پر سنہرے حروف میں مہمان خصوصی کا نام لکھا ہوا تھا۔اس پروگرام میں بے نظیر نے بھی شرکت کی تھی جیسے ہی اس نے کیمپس میں قدم رکھا، جلتے بجھتے قمقموں سے سجایا گیا نام ذکیہ تاب زریں دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور اسے بے شمار بھولی بسری کہانیاں یاد آ گئیں ۔گرد و پیش کی پروا کئے بغیر زور دے کر اس نے تین بار یہ نام دہرایا ذکیہ تاب زریں!

ڈاکٹر ذوالفقار علی خاں کے دولت خانے پر ۲۵ سال کے طویل انتظار کے بعد آخر رونقیں آ ہی گئیں، عندلیب کی پیدائش بڑی تمناؤں، منتوں، اور بخششوں کے بعد ہوئی تھی۔ وہ چار پانچ سال کی ہوگئی تب تک دور دور کے رشتہ دار اسے دیکھنے کی غرض سے آتے تھے۔ڈاکٹر ذوالفقار اس کی تعلیم و تربیت اور مستقبل کے سلسلے میں بہت سنجیدہ تھے۔ وہ بھی اپنے والد کی امیدوں کے مطابق ہمیشہ اسکول ٹاپ کرتی تھی ۔4th کلاس کے بعد پرنسپل کے مشورہ اور عندلیب کی ذہانت کی وجہ سے اسے ہائی اسٹینڈرڈ کے اسکول میں منتقل کر دیا گیا۔حد درجہ سنجیدگی، محنت اور ذہانت نے کم عمری میں ہی اسے غیر معمولی بنا دیا تھا۔لیکن

جب اس کا داخلہ Jhon Saint School Nanital میں ہوا تو وہ ایک سال تک کسی کی توجہ کا مرکز نہ بن سکی اس پورے عرصہ میں اس کی دوستی کلاس کی صرف ایک لڑکی بدر منیر سے ہو سکی، جو اپنے نام کے مطابق بے حد خوبصورت تھی، جس کا اسے اندازہ بھی تھا۔ پھر دھیرے دھیرے ٹیچرز اور کلاس میٹ کو عندلیب کی ذہانت کا اندازہ ہونے لگا اور کلاس میں اس کی بھی شناخت بننے لگی ۔دو سال گزرتے گرزتے عندلیب پورے اسکول میں چھا گئی ۔لیکن ہر قدم پر بدر منیر اس خوش فہمی میں رہتی کہ عندلیب جو کچھ ہے اسی کی بدولت ہے اور اکثر ایسا ہوتا بھی کہ اسکول کے کلچرل پروگرام اور ڈرامہ وغیرہ میں بدر منیر کو مرکز میں رکھا جاتا۔معصوم عمر کی اس رہ گزر میں عندلیب کو کبھی ان محرومیوں کا ادراک بھی نہ ہوا۔ وہ تو لٹریری پروگرام مصوری اور دوسرے دیگر پروگرام میں انعامات سے نوازے جانے پر خوش رہتی تھی۔

لیکن جب ہائی اسکول کے Annual Function میں سون پری کا ڈرامہ اسٹیج پر پیش کرنے کے لئے تیاریاں ہو رہی تھیں تو پری کا رول سب سے اچھا اور بہتر طریقے سے عندلیب ہی ادا کر سکتی تھی لیکن بدر منیر کو یہ رول دیا گیا جو بہت مشکل سے اس رول کو ادا کرنے میں کامیاب ہو سکی تھی۔عندلیب کو اس بات کا شدت سے احساس ہوا مگر وہ بھی لمحاتی طور پر۔مزید یہ کہ وہ بدر منیر کی کامیابی پر بہت خوش ہوتی اور مبارکباد بھی دی۔

اسی درمیان ایک دن کلاس ٹیچر نے انھیں خوشخبری دی کہ ہم نے تم لوگوں کو pic nic پہ لے جانے کی پرمیشن لے لی ہے لیکن ہاں یہ پرمیشن میں نے خاص طور پر اس لئے لی ہے کہ تم لوگوں کو Environment والی یونٹ ٹھیک سے سمجھ میں آ جائے ۔ نہ کہ صرف Enjoy کے لئے تم لوگ تو پہلے ہی Annual Fanction میں بہت Enjoy کر چکے ہو۔ خیر سب لوگ خوشی خوشی Picnic پہ چلے گئے ۔ وہاں پر سب

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

نےNaina Devi Temple نینی تال Lakeوغیرہ دیکھے۔

لیکن عندلیب اور بدرمنیر نظریں بچا کر جھیل کو پار کرتے ہوئے وادیوں میں چلی گئیں اور وہاں وہ پھولوں اور پھلوں سے لدی ہوئی شاخوں کا معائنہ کرنے میں مگن تھیں کہ ان کی نظر ایک لڑکے پہ پڑی جو انھیں کا ہم عمر تھا۔

وہ بھی ان دونوں کو دیکھ کر ان کی طرف بڑھنے لگا اور قریب آ کر بڑی معصومیت سے پوچھا۔تم لوگ یہاں کیا کر رہی ہو؟

بدرمنیر نے اس کا جواب دیے بغیر بڑی بے باکی سے کہا اور تم کیا کر رہے ہو؟ ہم تو ہلدوانی سے picnic پر آئے ہیں۔

پھر اس نے پوچھا۔تمہارا نام کیا ہے۔بدرمنیر۔

اور تمہارا؟ بدرمنیر نے پوچھا۔بےنظیر۔

بےنظیر نے کہا تمہارا نام تو بہت اچھا ہے۔اور تمہارا بھی۔ بدرمنیر نے کہا۔

عندلیب معصومیت اور سادگی کا بت بنی ان کی گفتگو سن رہی تھی تب تک دوسرے کلاس میٹز انھیں تلاش کرتے ہوئے آ گئے پھر وہ bye کہہ کر چلا گیا۔

اب بدرمنیر دوسرے دوستوں سے بےنظیر کے بارے میں بتا رہی تھی کہ ارے ،ہمیں تو یہاں ایک نیا دوست بھی مل گیا اس کی بات کاٹ کر عندلیب نے کہا وہ تمہارا دوست ہوگا میرا نہیں کیوں کہ اس نے تو میرا نام بھی نہیں پوچھا۔۔

اس کے جواب میں احساس کمتری کا عنصر نمایاں تھا۔

وہاں سے آنے کے بعد سب Exam کی تیاریوں میں اتنا مصروف ہو گئے کہ اندازہ ہی نہیں ہوا کہ سارے دن کیسے گزر گئے۔اور چھٹی بھی ہوگئی۔

گھر آ کر عندلیب بالکل تنہا ہوگئی کیوں کہ اس کی والدہ اب اس دنیا میں نہیں رہی

تھیں!اسی وجہ سے وہ بہت ہی بےچین ومضطرب رہنے لگی۔ایسا لگ رہا تھا اس کی ساری ذہنیت اور صلاحیت سلب ہوگئی۔اس کی اس حالت سے خوف کھا کر ڈاکٹر ذوالفقار علی نے اسے اپنے پاس بلا لیا جو کہ اس وقت اصفہان میڈیکل کالج ایران میں مقیم تھے۔عندلیب ایران جانے سے پہلے ہی وہاں کی سلطنتوں کے عروج وزوال کی داستانیں پڑھ چکی تھی اور اس نے اپنے والد کی زبانی بھی بہت سی کہانیاں سنی تھیں۔اور اسے خود بھی تاریخ کے مطالعہ کا شوق تھا کیوں کی بچپن سے ہی اس کی والدہ سمجھایا کرتی تھیں کہ تاریخ کے مطالعہ سے غور وفکر کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور تخیل کو جولانیاں دکھانے کا موقع ملتا ہے۔انھیں کی نصیحتوں کا نتیجہ تھا کہ وہ اتنی کم عمری میں ہی مطالعہ کے ذریعہ تخیلات کی دنیا میں ایران کی سیر کر چکی تھی۔

عندلیب کے ایران پہنچنے کے بعد اس کے والد اسکول دکھانے کی غرض سے اسے Fatima Kermanshah College لے گئے۔پورے کالج کی سیر کرنے کے بعد عندلیب یہاں کے ماحول سے بہت متاثر ہوئی۔

دوسرے دن ذوالفقار صاحب جب ایڈمیشن کے لئے لے گئے تو اس نے کہا کہ ابو جان میرا نام چینج کروا دیجئے اور ایڈمیشن فارم پر میرا نام ذکیہ ڈال دیجئے۔

ذوالفقار صاحب نے پوچھا: بیٹا کیا ہوا؟ تم نام کیوں تبدیل کروانا چاہ رہی کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے جواب دیا۔مجھے یہ نام سوٹ نہیں کرتا۔

کیوں بیٹے عندلیب اتنا خوبصورت نام ہے۔

نہیں ابو جان بس.....اس نے ضد کی۔

ذوالفقار صاحب اس بڑی تبدیلی کی وجہ سمجھنے سے قاصر رہے چونکہ وہ ان کی لاڈلی تھی اس لئے اس کی خواہش کو رد نہیں کیا۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

عندلیب کے جانے کے بعد بدر منیر کو اسکول میں بہت تنہائی محسوس ہونے لگی۔اس نے بھی اپنے بڑے بھائی سے التجا کی ایران جانے کی ۔خیر وہ مان گئے اور ذوالفقار صاحب کے ایک دوست Fatima Kermanshah College Iran میں لکچرر تھے اس لئے ان کی تھوڑی سی سفارش سے بدر منیر کا بھی ایڈمیشن ہو گیا۔

بدر منیر کو بھی اس پر تعجب ہوا کہ اتنا خوبصورت نام اس نے چینج کر دیا۔لیکن رفتہ رفتہ اس نے بھی عندلیب کو ذکیہ کہنے کی عادت ڈال لی۔

ایران آنے کے بعد ذکیہ کی شعر وادب اور تاریخ کے مطالعہ کی دلچسپی میں مزید اضافہ ہو گیا۔وہ کورس کی کتابیں پڑھنے سے زیادہ ادبی محفلوں میں شرکت کرتی اور Fine Arts میں دلچسپی لیتی۔

جب بھی گھوڑے گاڑی پر بیٹھ کر وہ اپنے والد کے ساتھ باغوں کے سیر کو جاتی تو گٹار ضرور ساتھ میں لے جاتی اور موسیقاروں کے ساتھ بیٹھ کر عالم لاہوت میں گم ہو جاتی اور اس شاعرانہ مزاجی سے اس کی شخصیت اور زیادہ نکھر رہی تھی۔

ذکیہ کے بہت زور دینے پر منیر نے بھی Music Club جوائن کر لیا۔اتفاق یہ کہ ان کے گروپ میں سارے لڑکے تھے صرف یہی دو لڑکیاں تھیں۔ پہلے تو سارے لوگ بدر منیر پر ہی توجہ دیتے تھے مگر جب ایرانی کلاسیکل Music کا مقابلہ ہوا تو ذکیہ فرسٹ آئی۔ پھر تو سب اس کے آگے پیچھے گھومنے لگے۔ ہر طرف کالج میں بھی اور Music Class میں بھی ذکیہ کے ہی چرچے ہوتے مگر اس پر معصومیت اتنی غالب تھی کہ وہ ان شہرتوں اور نام ونمود سے بے نیاز رہی۔ کیوں کہ کامیابی، شہرت و چرچے اس کی ذات سے اس طرح جڑ گئے تھے کہ اس نے کبھی گہرائی سے یہ سوچا ہی نہیں کہ ہر منزل کے ابتدائی مرحلہ میں سب بدر منیر کے شیدائی کیوں رہتے ہیں!

۲۵/اپریل کو اسکول کی طرف سے Farewell پارٹی تھی Tradition کے مطابق سارے طلباء کو ٹائیٹل دیا گیا تھا مگر ذکیہ کو Specially پرنسپل اور دوسرے ٹیچرز کی طرف سے Annual Achievements کے طور پر ''تاب'' کا ٹائیٹل دیا گیا۔

اور ٹائیٹل دینے سے پہلے پرنسپل نے کچھ اس طرح تمہید باندھی تھی کہ آج یہ تاب کا ٹائیٹل میں اس لڑکی کو دینا چاہتا ہوں جو بالکل اس کے قابل ہے اور حق دار بھی سب کی نظریں بدر منیر کی طرف اٹھ گئیں لیکن اگلے ہی لمحے انہوں نے یہ جملہ کہا کہ وہ ایک ایسی لڑکی ہے جس کی صورت اور رنگت میں نہیں بلکہ اس کی شخصیت میں تاب ہے اور پوری زندگی یہ ٹائیٹل اس کی شخصیت کو اور زیادہ تابناک بناتا رہے گا۔اس کے بعد انہوں نے ایک بہت ہی معنی خیز جملہ کہا۔''انسانیت اور تعلیم کے لئے رنگ ونسل کوئی معنی نہیں رکھتا''۔

اس دن ذکیہ بہت خوش تھی اور ذوالفقار علی خاں اپنی گود میں اس کا سر رکھ کے پدرانہ محبت اور فخر سے باتیں کر رہے تھے انھوں نے پوچھا، بیٹا آگے کی تعلیم کے سلسلے میں تمہارا کیا خیال ہے''۔

ایک فرمانبردار بیٹی کی طرح وہ کھڑی ہو گئی اور کہا، ابو جان آپ کی مرضی جہاں چاہیں ایڈمیشن کروادیں''

اس نے خود سے کوئی خواہش ظاہر نہ کی۔ انھوں نے کہا نہیں بیٹے تمہارا شوق جہاں بھی جانے کا ہے تم بتاؤ اور تم کس Field میں جانا چاہتی ہو،۔

ذکیہ نے خوشامد کرتے ہوئے کہا: ابو اتنی بڑی ہونے کے بعد جو لطف مجھے ان دو برس میں آپ کے ساتھ رہ کر ملا ہے وشاید نہ کبھی ملا ہے اور نہ ملے گا۔آپ نے تو امی جان کی ممتا کی کمی بھی پوری کر دی۔ میں نے ابھی تک صرف کتابوں میں عراق اور بغداد کے بارے میں پڑھا تھا۔اور بغداد کی خوبصورتی صرف داستانوں، قصوں اور کہانیوں میں پڑھ کر

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

تصور میں دیکھ لیا کرتی تھی لیکن آپ کی بدولت اس خوبصورت شہر کو دیکھ بھی لیا آپ دنیا کے سب سے اچھے ابو ہیں یہ کہہ کر وہ ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

اور ہاں ابو ہائفہ اسٹریٹ Tigris River یہ سب تو کمال کا ہے۔کاش وہاں دوبارہ جاتی۔اچھا ٹھیک ہے انشاءاللہ پھر کبھی موقع ملا تو چلیں گے۔اس کے والد نے کہا۔

اچھا ٹھیک ہے اب تم جلدی سے فیصلہ کر کے بتادو کہ تمہیں آگے کیا کرنا ہے۔اور ہاں اپنی دوست سے بھی پوچھ لینا۔

لیکن بدر منیر کو تو پھر واپس جانا پڑا کیوں کہ اس کے بڑے بھائی اپنی فیملی کے ساتھ دوسری جگہ شفٹ ہو گئے تھے اور اس کی والدہ تنہا ہو گئی تھیں اس لئے بدر منیر کو اپنی آگے کی تعلیم کو ترک کرنا پڑا اور وہ گھر چلی گئی۔

دوسرے دن صبح میں ذکیہ نے سب سے پہلے نہا کر ناشتہ تیار کیا اور لان میں پھول کی کیاریوں کے پاس ہی ایک ٹیبل اور Chair لگا کر ناشتہ لگا دیا۔سورج کی کرنیں Green House سے چھن کر اس کے بالوں کو مزید سنہرا کر رہی تھیں اور وہ بالوں میں انگلیوں سے کنگھا کر رہی تھی جس سے وہ اور الجھ رہے تھے۔اسی کشمکش میں تھی کہ کہاں جانے کا فیصلہ کرے کہ اس کے والد آ گئے انھوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔کوئی جواب نہ ملنے پر انھوں نے خود ہی کہا میں تو سوچ رہا ہوں کہ تمہیں Oxford University بھیج دوں۔پھر کیا تھا ذکیہ خوشی سے اچھل پڑی اور کہا ابو آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔میں نے آپ کی بدولت بہت سے ملکوں کی سیر کی لیکن اب لگ رہا ہے یوروپ بھی دیکھ لوں گی!اب گویا ذکیہ کی آئندہ تعلیم کا فیصلہ ہو گیا تھا۔

وہ سبک رفتاری سے ڈرائنگ روم میں آ گئی جیسے کوئی آرٹسٹ ایک اچھی تصویر سے لطف اندوز ہو کر خوشی محسوس کرتا ہے اس طرح ذکیہ آنے والے لمحوں کے خیال سے خوش

ہو رہی تھی۔

ذوالفقار صاحب نے کہا کہ ذکیہ بیٹا دو مہینے تمہارے پاس ہیں اتنے دن ساتھ رہ کر خوب سیر کر لو ورنہ اب تو تمہیں اتنی محنت کرنی ہوگی کہ سر اٹھانے کی فرصت نہیں ملے گی۔ سیر کرنا تو دور کی بات۔

خیر دو مہینے گزر گئے اور جولائی کی دس تاریخ کو ذکیہ تاب بطور طالب علم Oxford University کا حصہ بن گئی۔

ذکیہ کی جگہ اگر بدر منیر جیسی خوبصورت لڑکی ہوتی تو یہاں آ کر ایسے آزاد اور نئے ماحول میں یہی سوچتی کہ اس نئے ملک میں آ کر کس سے دوستی کرے، کس کی دعوتوں کو قبول کرے، کیسے مقبولیت حاصل کرے، کس کا دل رکھے اور کس کا دل توڑے اپنی صبحیں اور شامیں کیسے گزارے یعنی بڑی شاندار اور پر لطف زندگی کا خواب دیکھتی مگر ذکیہ تاب تو اپنی آنکھوں سے ان تمام چیزوں کو دیکھنا چاہتی تھی جو وہ کتابوں میں پڑھ چکی تھی۔

کالج میں پہلے ہی دن اس کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی جو اس کا کلاس میٹ اور Subject Mate بھی تھا اس کو دیکھ کر ذکیہ لاشعور میں کچھ تلاش کرنا چاہ رہی تھی اس کے چہرے پر کچھ خطوط ایسے تھے جو اسے ماضی میں لے جانے پر مجبور کر رہے تھے۔

خیر! وہ سر جھٹک کر کلاس میں داخل ہو گئی، دونوں کا رول نمبر بھی ایک ساتھ تھا۔ جب کلاس میں سر آئے تو انھوں نے Attendence لی۔انہوں نے ذکیہ کے بعد جارج فریڈاک کا نام لیا اس نے yes sir کہا۔اس طرح ان دونوں کو ایک دوسرے کا نام معلوم ہو گیا پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔اور ذکیہ نے دل ہی دل میں کہا، اچھا ہوا اس شخص کا نام پوچھنے کی نوبت نہیں آئی۔

ایک ہفتہ گزر گئے ایک ہی سیٹ پر بیٹھنے کے باوجود دونوں میں کوئی

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

Introduction نہیں ہوا۔ ہر Monday کو ایک پیریڈ اردو ادب کا ہوتا تھا اور ماہر اردو Sir Raulf Russel کو یہ پیریڈ پڑھانے کے لئے دیا گیا جو کہ مثنویوں میں بڑی دلچسپی لیتے۔انہوں نے سب سے پہلے اپنی پسندیدہ مثنوی سحر البیان پڑھائی۔کلاس ختم ہونے کے بعد ذکیہ بالکل خاموش کہیں گم تھی اس خاموشی کو توڑنے کے لئے جارج نے کہا ہیلو۔۔۔کیا تم کو مثنوی سمجھ میں آئی۔

ذکیہ نے جواب دیا ہاں ہاں خوب،اور ہاں!اس کے پردے میں اور بھی بہت سی باتیں سمجھ میں آگئیں اور جو کچھ مجھے سمجھ میں آیا ہے وہی تمہیں بھی۔یہ تو تمہاری شکل بتا رہی ہے۔مسٹر بے نظیر نینی تال ہلدوانی!تم نے اپنا نام کیوں تبدیل کر دیا تم نے کیا سوچا نام Change کر کے انگریز بن جاؤ گے اتنا جان لو نام بدل لینے سے قومیت نہیں بدلتی۔

اوہ تو تمہیں میری شکل یاد ہے؟ اور ہاں ۔۔۔ وہ تمہاری دوست بدر منیر کہاں ہے؟

ذکیہ نے اس کے بارے میں ساری باتیں تفصیل سے بتائیں اور اس کے جانے کی وجہ بھی بتائی۔اس کے بعد فریڈرک نے آرام واطمینان سے بیٹھ کر بہت سے سوال کئے اور بتاؤ تم یہاں کیسے آئی، نینی تال کے بعد تمہاری تعلیم کہاں ہوئی، یہ تمام سوالات ذکیہ پہ نشتر بن کر برس رہے تھے۔

گفتگو کرتے ہوئے وہ دونوں کینٹین چلے گئے۔ظاہری طور پر خود کو تسلی دے رہی تھی کہ اسے ایک دوست مل گیا مگر باطن میں ایک کشمکش تھی کہ کیا وہ شخص جسے میں نے ایک دن دوست کہنے سے انکار کیا تھا اب اس سے دوستی کر کے نتیجہ کیا نکلے گا۔

کینٹین سے آنے کے بعد بھی باتوں کا سلسلہ جاری تھا۔فریڈرک نے ذکیہ سے معذرت بھی کی۔نینی تال کی وادیوں میں بدر منیر کے حسن کی مقناطیسی کشش میں اتنا کھو گیا

تھا کہ تمہارا نام بھی پوچھنا ضروری نہیں سمجھا۔اس نے تو معذرت کر کے چھٹکارا حاصل کر لیا اسے کیا معلوم کہ ذکیہ ان وادیوں میں اس کی اس غیر معمولی مہربانی کی وجہ سے ذکیہ تاب بن گئی۔

اس کے معذرت کرنے پر ذکیہ نے کوئی جواب نہیں دیا وہ ماضی کے سمندر میں غوطہ زن تھی کہ فریڈرک نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا!واؤ یار ذکیہ آج کی کلاس کتنی Intresting تھی، جب سر پڑھا رہے تھے میں تو خیالوں میں کھو گیا تھا۔اور ہاں اگر تمہاری دوست بدر منیر ہوتی تو اور بھی مزا آتا۔واقعی اس میں تو شہزادی بدر منیر کی ساری خوبیاں ہیں بلکہ وہ مثنوی والی بدر منیر سے زیادہ خوبصورت ہے۔

ذکیہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا اور تم بھی شہزادہ بے نظیر کی طرح بے مثال ہو۔اس کا جملہ طنز سے بھرا ہوا تھا۔

فریڈرک نے زور سے قہقہہ لگایا۔

ذکیہ نے کہا سنو فریڈرک ابھی سورج غروب نہیں ہوا ہے اس کی ترچھی شعاعوں میں ابھی بھی غضب کی گرمی ہے۔اس کے اس استعاراتی جملے کی معنی خیزیوں کو سمجھے بغیر فریڈرک نے جواب دیا تو ٹھیک ہے اب روم پہ چلنا چاہئے یا گارڈن میں؟

ذکیہ کو Oxford آئے ہوئے چھ مہینے گزر چکے تھے اور یہاں کے انگریز لڑکوں اور لڑکیوں کا جائزہ لینے کے بعد اسے بڑی مایوسی ہوئی کیوں کہ ان سب کی زندگی اسے کھوکھلی معلوم ہوئی۔اور دھیرے دھیرے اسے یہ احساس ہونے لگا کہ فریڈرک بھی انھیں میں شامل ہے وہ اکثر اسے سمجھایا کرتی کہ زندگی کا فلسفہ صرف حسن میں پوشیدہ نہیں ہے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر زندگی کے نشیب وفراز دیکھنے کی کوشش کرو!

ایک دن ذکیہ میکس فورسٹر ایسٹ مین کی کتاب Colours Of Life پڑھ

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

رہی تھی کہ اسی درمیان جارج بھی کلاس میں آ گیا اور اس کے ہاتھ سے کتاب اچھالتے ہوئے کہا! کیا تم ہر وقت کتابیں پڑھ پڑھ کے ہمارے لئے آفت کھڑی کرتی رہتی ہو اور یہی وجہ ہے کہ صرف ٹیچرس ہی تم سے Impress ہیں اور کلاس کے باقی لوگ تم سے دور رہتے ہیں ۔ یہ سن کر ذکیہ غصہ میں کھڑی ہوگئی اور کہا کہ آپ نے صحیح فرمایا مسٹر جارج'' پوری قوم اس سستے پن کا شکار ہے اور تم بھی اسی طرح کی سستی زندگی کے لئے مناسب ہو۔''

اس نے ذکیہ کو ہاتھ پکڑ کر بٹھالیا اور کہا اچھا بتاؤ پارٹی میں چلوگی ؟ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ٹھیک ہے مت جاؤ! لیکن تم نے یہاں آ کر اب تک کتنی پارٹیز اٹینڈ کی ہیں ! ذکیہ نے کہا تم سے مطلب؟

جی ہاں مطلب تو ہے۔

بلاوجہ تم یہ Colours Of Life جیسی کتابیں پڑھا کرتی ہو، یار! Enjoy Your Life اور خواہ مخواہ تم یہاں کے ماحول سے اکتا رہی ہو یار دوستی کرو اور دوست بناؤ اور ہاں اگر بدر منیر جیسی کوئی لڑکی مل جائے تو میرے پاس لے آنا ذکیہ نے پھر بھی غصہ سے کچھ جواب نہیں دیا! کچھ لمحے بعد صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ تم صرف چیزوں کو حاصل کر کے اور اسے اپنے تصرف میں لا کر بے نیاز ہو جانے والے شخص ہو تمہارے سامنے تو جارج ڈکنس کے ناول کا کردار ''مسٹر ڈرٹ'' بھی فیل ہے۔

دن بدن دونوں کی دوستی گہری ہوتی جا رہی تھی اور پھر ذرا سی نوک جھونک سے دونوں کے فاصلے بہت کم ہو رہے تھے اور فریڈرک اکثر کہتا کہ ذکیہ تمہاری دوستی دوسرے لڑکوں سے اس لئے نہیں ہے کہ وہ جب تمہارے سامنے آتے ہیں تو تمہاری آنکھوں کا رنگ بدل جاتا ہے اور اس میں پژمردگی چھا جاتی ہے۔ جیسے کسی سانپ نے ڈسنے کے لئے اپنا پھن اٹھا دیا ہو۔

ان ساری باتوں پہ ذکیہ چڑ جاتی۔مگر فوراً ہی وہ منا لیتا۔

کلاس کا سارا کام ذکیہ کے ذمہ رہتا ۔فریڈرک کو صرف Exam دینے سے مطلب تھا۔کبھی کبھی وہ ذکیہ کے اتنے ذمہ دار ہونے ،اس کی مصوری، اور ڈانس کی تعریف بھی کر دیا کرتا جو ذکیہ کی دلجوئی کے لئے کافی ہوتا۔

ایک دن ذکیہ یونیورسٹی کے لیڈیز کلب سے نکلی تو سوچا گارڈن میں چلی جاؤں جب وہ گارڈن پہنچی تو دیکھا کہ Music Club کے کچھ اسٹوڈنس Guitar لئے بجا رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر ذکیہ کو ایران کے باغوں کا منظر یاد آ گیا۔اسی درمیان فریڈرک نے ٹینس کورٹ سے واپس ہوتے ہوئے باغ کا رخ کیا ویسے تو باغ کا منظر پہلے ہی اپنی بہاروں سے یہاں پہ موجود لوگوں کو زخمی کر رہا تھا اور فریڈرک کے آجانے سے تو ذکیہ کی آنکھیں مزید چندھیا گئیں ایسا لگ رہا تھا کہ پوری فضا نغموں سے گونج اٹھی۔فریڈرک کے وجود کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے خوابوں میں کھو گئی۔

لیکن ذکیہ خوب سوچ سمجھ کر قدم رکھنے کی عادی تھی۔ ہمیشہ عقل کی سنتی اسی وجہ سے وہ اپنے دل کی بات سے آنکھوں کو بھی باخبر نہیں ہونے دیتی۔زبان پہ آنا تو دور کی بات۔اگر چہ وہ جذباتی لڑکی نہیں تھی، اس کی تربیت نے اسے بڑا ٹھنڈا دل و دماغ دیا تھا۔لیکن اس نے شعر و ادب میں حسن کے متعلق جو کچھ پڑھ رکھا تھا اس سے بہت متاثر تھی جیسے کوئی مصور فن کاری کے شاہکار سے متاثر ہو کر اسے ہر پہلو سے دیکھتا اور سوچتا ہو اور پھر اپنے تصورات میں ڈوب جاتا ہو۔اسی طرح ذکیہ بھی ایک مصور تھی اس نے فریڈرک جیسے شاہکار کو ہر پہلو سے دیکھ لیا تھا۔

مگر فریڈرک ایک مصور نہیں تھا اگر اس سے پوچھا جاتا کہ مصور کسے کہتے ہیں تو وہ اس لفظ کے مفہوم کو بھی صحیح سے بیان نہ کر پاتا اور یہی وجہ تھی کہ وہ ذکیہ کو سمجھ نہیں سکا تھا۔ ہاں

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

اتنا ضرور تھا کہ کبھی کبھی پسندیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ لیا کرتا وہ بھی شاید اس کی ذہانت اور قابلیت کی وجہ سے۔

ذکیہ اتنی معصوم تھی کہ وہ جارج کے دوستانہ رویہ سے یہ سمجھتی تھی کہ اس کے دل میں بہت کچھ ہے مگر میری طرح اس کے الفاظ بھی زبان تک نہیں آتے۔''اور یہ جھجک تو فطرت کا تقاضا ہے'' اور وہ تو کچھ مغرور بھی ہے بے نظیر جو ٹھہرا ویسے بھی ہزاروں بدر منیر اس کے آگے پیچھے گھومتی ہیں۔

ذکیہ اپنی قابلیت کی وجہ سے پوری یونیورسٹی میں Talented Girl کے نام سے مشہور ہو چکی تھی اس کے ڈانس نے سب کو اتنا گرویدہ بنالیا تھا کہ کسی بھی Cutlural پروگرام کا آغاز اس کے بغیر نہیں ہوتا! ایک دن جب پروگرام میں جانے کئے تیار ہو رہی تھی (اور یہ پروگرام دوسری یونیورسٹیوں سے Caltural مقابلہ کا تھا اسی لئے وہ تیار ہونے میں کچھ زیادہ وقت صرف کر رہی تھی) کہ اسی درمیان فریڈرک نے اس کے بالوں کو چھو کر کہا کہ تمہارے بال تو بڑے خوبصورت ہیں اس نے دبی ہوئی مسکراہٹ سے کہا شکریہ!

اب ذکیہ سوچنے پر مجبور تھی کہ اس کی تعریف میں جذبات کا اظہار تو نہیں تھا لیکن اگلے ہی جملے میں.....

ذکیہ ایک ذہین لڑکی تھی اسے احساس تھا کہ اگر محبت کی چنگاری کو سلگنے دیا تو ایک دن بڑھتے بڑھتے یہ آگ اس کے سارے وجود پر چھا جائے گی. اور پھر ناکامی کا ایک خوف دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا گیا کیوں کہ اس نے ناکامی اب تک نہیں دیکھی تھی۔

رفتہ رفتہ ذکیہ کو احساس ہونے لگا تھا کہ وہ فریڈرک کو پسند کرتی ہے اسے احساس تھا کہ فریڈرک حسن سے عقیدت رکھتا ہے کیوں کہ اس کو دیکھ کر ہی ایسا لگتا تھا کہ افلاطون و ارسطو کے حسن کا فلسفہ کتابوں سے نکل کر باہر آ گیا ہے۔

جس سے ذکیہ محروم تھی فریڈرک کی نظر میں

یونیورسٹی کے باہر افق پر سورج کی آخری سرخ روشنی بھی ڈوب چکی تھی۔ تارے کہیں کہیں نظر آنے لگے تھے، فریڈرک ذکیہ کے ساتھ میوزک کلب جانے کے لئے تیار ہو گیا کیونکہ ساتھ رہ کر اسے بھی تھوڑی سی دلچسپی ہو گئی تھی کبھی کبھی اس کے ساتھ لطف لینے کی غرض سے یونیورسٹی چرچ جا کر piano بھی بجالیا کرتا۔

جب یہ دونوں میوزک کلب پہنچے تو وہاں کا منظر ہی کچھ اور تھا، وہاں پہ کچھ عورتیں اور لڑکیاں بھی موجود تھیں جنھوں نے ذکیہ سے گیت کی فرمائش کی۔

ان کے کہنے پر ذکیہ نے گانا شروع کر دیا اور پورے انہماک سے گانے لگی۔ ذکیہ کے دل کے جذبات اس کی آواز میں اتر آئے اور وہ اس پوری فضا کا حصہ بن گئی تھی وہاں پہ بیٹھے سارے لوگ گیت میں ڈوبے ہوئے تھے آواز کے ساتھ ساتھ اس کی مخروطی انگلیوں کے زیر و بم کو بھی دیکھ رہے تھے اس کی آنکھوں کی چمک میں ملی ہوئی مایوسی کو دیکھ کر (جو کبھی کبھی فریڈرک کی طرف اٹھ جا رہی تھیں) لڑکیاں زیر لب کہہ رہی تھیں کہ اس کا محبوب ضرور ہر جائی ہے۔

ذکیہ کے گیت کا ایک ایک لفظ فریڈرک کی محبت میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ صرف اپنے محبوب کے لئے گا رہی تھی (جس سے فریڈرک یکسر بے نیاز تھا)۔ گیت ختم ہونے کے بعد لوگ مدہوشی سے باہر آ گئے اور دوسرے گیت کی فرمائش کرنے لگے لیکن رات بہت ہو گئی تھی۔

وہ دونوں واپس لوٹے تو ٹھنڈ بڑھ گئی تھی، ستاروں کی آنکھیں شبنم میں بھیگی ہوئی تھیں۔

دوسرے دن فریڈرک نے کہا آج تو تمہارے گیت نے جذباتی بنا دیا! لیکن

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

میری محبوبہ تمہارے محبوب کی طرح نہیں ہوگی پہلی بات تو وہ مجموعہ خوبی ہوگی دوسرے وہ چندے آفتاب اور تمہاری طرح چندے ماہتاب۔ یہ سن کر ذکیہ کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔

ایسا لگ رہا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی اور ساری قوت سلب ہوگئی ہے۔ تلخیوں کا ایک سمندر اس کے سامنے ٹھاٹھیں مار رہا ہے اپنا وجود اسے کاک جیک کا مسخرہ محسوس ہونے لگا۔

ذکیہ نے کہا جارج فریڈرک تمہارے پاس خوبصورت دل نہیں جو جذبات کو سمجھ سکے۔ تم کہتے ہو کہ ہر حسین چیز کے شیدائی ہو لیکن سچ تو یہ ہے کہ تم نے کبھی حسن کو پہچانا ہی نہیں۔

''ہائی اسکول میں پہلی بار تمہارے ہی رویہ نے مجھے عندلیب سے ذکیہ بنایا''۔!

فریڈرک کو محسوس ہوا کہ اس کے ذہن سے کوئی چیز نکل کر نیچے گر گئی۔

اس کے بعد جو دو سال ایران میں گزرے انھیں Complexes کی مقناطیسی طاقت نے مجھے Oxford University کے ہر شعبہ میں آرٹسٹ، Telent Girl اور نہ جانے کن کن ناموں سے مشہور کر دیا۔

اپنی ذات کو عشق کی آگ میں جلا کر سونا بنا لیا جائے تو کسی سہارے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

فریڈرک حواس باختہ کھڑا ذکیہ کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت اڑ گئی تھی، جسم کانپ رہا تھا۔ ایک کے بعد ایک حیران کن بات اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔ اسے اس وقت صرف ذکیہ کی فکر تھی اسے سنبھالنے اور گھر لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ذکیہ کی باتیں ابھی جاری تھیں واقعی فریڈرک تمہاری لائف میں کھوکھلے پن کے

سوا کچھ نہیں۔ آج سے ہمارے راستے الگ ہیں اور ہاں! میں تمہاری احسان مند ہوں''

فریڈرک کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ آگے کچھ بات کر لے اور بتائے کہ وہ خود ہی راستہ الگ کرنے والا تھا کیوں کہ گھر سے اطلاع آچکی ہے کہ جلد سے جلد india آجائے۔

نومبر کی ۲ تاریخ تھی سورج الیزبتھن Palaces نما مکانوں کے پیچھے سے جھانک رہا تھا اور ذکیہ ایسٹ مین کی Enjoy Of Life پڑھنے میں اتنی محو تھی کہ اسے وقت کا احساس بھی نہیں ہوا کہ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی، فریڈرک اندر آیا وہ آخری لمحات خوشگوار بنانے کے غرض سے آیا تھا۔ ذکیہ بھی اس سے اس طرح مخاطب ہوئی کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اس سے اس کے حوصلے کا کمال ظاہر ہو رہا تھا۔ وہ تو تھی ہی حوصلہ مند۔

فریڈرک نے کہا کہ کل صبح کی فلائٹ سے وہ انڈیا جا رہا ہے!

اس خبر پر ذکیہ کو کوئی حیرانی نہیں ہوئی اور نہ ہی دل میں کوئی جنبش۔ اس نے جانے کی وجہ دریافت کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔

فریڈرک کو الوداع کہتے ہوئے اتنا کہا کہ میں اپنے سارے Achievements تمہیں Dedicate کرنا چاہتی ہوں کیوں کہ ان سب کا تعلق کہیں نہ کہیں لاشعوری طور پر تم سے ہے۔

ذکیہ نے اپنی محبت کے خاطر جو قربانی دی تھی دل ہی دل میں اس کا جواز تلاش کر رہی تھی اس نے زبردستی ہونٹوں پہ مسکراہٹ لانے کی کوشش کی اور مسکراتے ہوئے فریڈرک کو الوداع کہا۔

فریڈرک بھی الوداع کہہ کر آگے بڑھتا اور الوداعیہ نگاہوں سے ہرے بھرے

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

درختوں کا جائزہ لیتا گیا۔ ہاں اسے اتنی حیرت ضرور ہوئی کہ آج یہاں پر اس قدر خاموشی کیوں ہے کوئی رقص، کوئی موسیقی کسی وائلن کی آواز کیوں نہیں؟ وہ مسلسل آگے بڑھتا گیا اس کی بے حسی نے اجازت نہیں دی کہ وہ پیچھے مڑ کر ذکیہ کی طرف دیکھ لے۔

ذکیہ کے لئے یہ رات بڑی تاریک تھی۔ چاند میں گویا گرہن لگ گیا، ہوائیں رک گئیں، ذکیہ نے ہواؤں کا رخ دیکھ کر چراغ جلا دیا۔

فریڈرک کی زندگی نے بڑی آسانی سے رنگ بدل لیا لیکن ذکیہ کو نارمل ہونے میں کئی مہینے لگ گئے۔ اس کے بعد ماضی کی یادوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھنے لگی۔ اب ترقی کی منزلیں طے کرنا اس کے لئے اور زیادہ آسان ہو گیا تھا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ محنتی ہو گئی تھی۔ ہر قدم پر کامیابیاں خود اس کی منتظر رہتیں۔ South Asian Acadmic Of Dramatic Art میں سینئر گولیو گرافر بن گئی تھی اس کے ہاتھوں کی بنی ہوئی Paintings کو اتنا سراہا گیا اور اسے اتنی شہرت ملی کہ وہ یونیورسٹی میوزیم کا حصہ بن گئے۔

ان تمام مصروفیات کو ایک طرف کر کے اس نے P.G بھی کر لیا۔ P.G کی Thesis تیار کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے ایک ناول Up And Down Of Life بھی لکھ لیا تھا جب ناول منظر عام پر آیا تو اسے ذکیہ تاب زریں کا خطاب دیا گیا۔

۲۵ سال کا طویل عرصہ گزارنے کے بعد جب انڈیا سے اس کے نام Invitation کارڈ آیا تو اس کی خوشی کی انتہا نہیں رہی ساتھ ہی حیرت بھی ہوئی کہ میری شہرت وہاں کی یونیورسٹیوں تک پہنچ گئی۔ اتنے عرصے بعد جب وہ انڈیا لوٹ رہی تھی دل میں طرح طرح کے جذبات اٹھ رہے تھے کہ والد صاحب مجھے دیکھ کر کیا تاثر ظاہر کریں گے اور ان میں ایک جذبہ یہ بھی تھا کہ کہیں فریڈرک.....پھر نفی میں سر ہلا کر سوچا وہ انڈیا میں کیسے رہ سکتا ہے عین ممکن ہے کہ وہ اپنی پسندیدہ یونیورسٹی ''کولمبیا'' میں کسی بڑے

عہدے پر فائز ہو۔

ذکیہ کو کیا معلوم کہ اسے راستہ میں چھوڑ کر وہ خود بھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکا۔

مارچ کی ۱۶ سولہ تاریخ تھی اور ذکیہ تاب زریں یونیورسٹی کے سہ روزہ Fine Arts پروگرام میں جلوہ افروز ہو چکی تھیں۔ بڑے لائق فائق آرٹسٹ اور پوری یونیورسٹی کے طلباء اور اساتذہ پروگرام میں شریک، ہر فرد ذکیہ تاب زریں کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب تھا۔ ہزاروں کی اس بھیڑ میں چاہتے ہوئے بھی بے نظیر ذکیہ کی پرچھائیں تک دیکھنے سے محروم رہا آخر کار پروگرام ختم ہو گیا اس تک رسائی نہیں ہوئی۔

۱۹ مارچ کی شام کو جب وہ ہمیشہ کے لئے یہاں نہ آنے کا ارادہ کر کے نکل رہی تھی تو آٹو گراف لینے والوں کا ایک جم غفیر تھا اسی درمیان ذکیہ کی نظر بدر منیر پہ پڑی جو فریڈرک کی بانہوں میں ہاتھ ڈالے کھڑی تھی۔

''اتفاقاً ایک بار قسمت نے پھر جدائی کے دوراہے پر لا کر کھڑا کر دیا۔ ہزاروں کا ہجوم، میڈیا، سیکیورٹی اس کے اردگرد تھی وہ ان سب سے بے نیاز تنہا بدر منیر کو حسرت سے دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں اتنا کرب تھا کہ اس سے نکلا ہوا ایک قطرہ بھی ہڈیوں کو پگھلا دینے کے لئے کافی تھا۔

☆☆☆

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

کاتب تقدیر

اقلیتوں اور دلتوں کے مسائل پر ذرائع ابلاغ سے لے کر حکام، سماجی نظام اور سوشل سائنٹس کے درمیان برسوں سے جو سرد جنگ جاری ہے اس کی انتہا کیا ہوگی اس کے انجام سے تو ہم سب آگاہ نہیں ہیں لیکن۔۔۔

شگافوں والے مکان کے مکینوں سے تو آپ واقف ہی ہوں گے، اس لیے میں تفصیل سے گریز کرتے ہوئے صرف اتنا بتانا چاہوں گا کہ اس مکان سے زبردستی ایک رشتہ بنانے پر مجھے مجبور کیا جاتا رہا ہے۔ میری ماں ہمیشہ کہتیں:۔

''کاش میں کاتب تقدیر ہوتی تو اس گھر کے مکینوں کی قسمت بدل دیتی۔ ایسا لگتا ہے چنکی کی روح اس گھر میں بسی ہوئی ہے جو کسی کو خوش نہیں رہنے دیتی، پریشان حال لوگوں کا مسکن لگتا ہے یہ گھر، کبھی یہ بہت خوشحال ہوا کرتا تھا، کیا زمانہ تھا وہ بھی جب محلے کے بچوں کو اکٹھا کر کے چنکی اپنی من گھڑت کہانیاں سنایا کرتی تھی اور میرا خاص خیال رکھتی کہیں میں اکتا نہ جاؤں''۔

روز شام کی چائے کے وقت خود بخود ماں کی زبان پر یہ چند جملے آجایا کرتے تھے۔ لیکن مجھے کبھی کوئی دلچسپی نہ ہوئی کہ میں اپنے مکان کے داہنی جانب شگافوں والے گھر کے مکینوں کے متعلق کچھ دریافت کروں۔ ہاں اتنا اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ گھر کا ہر فرد اس ''مکان'' کا ہمدرد ہے اور کسی زمانے میں اس کے مکینوں سے درد کا رشتہ تھا جو اب تک ختم نہیں ہوا ہے۔ کبھی کبھار جب گھر کی چیزیں ادھر ادھر پھینکنے کی نوبت آتی تو دادا کہتے کاش یہ لوگ ہوتے۔

دادی کہتیں ''بہت ہی الگ لوگ تھے کبھی منھ کھول کر کچھ نہیں مانگا، ضرورت پر بھی چپ رہے۔''

اس طرح کی باتیں مجھے بہت بور کرتیں، اکثر میں کہہ دیا کرتا کہ لوگ اپنی حالت کے خود ذمہ دار ہوتے ہیں لیکن اب اکثر بیٹھ کر میں سوچا کرتا ہوں کہ جس طرح اپنی اس حالت کا ذمہ دار میں نہیں ہوں اسی طرح اوروں کے ساتھ بھی ہوتا ہوگا۔

چنکی کے بعد شگافوں والے مکان میں سیکڑووں لوگوں کے علاوہ راکیش لوہار، جمّاں پھل والا، بھلور کشے والا اور نہ جانے کس کس کی فیملی کرایہ پر رہنے کے لیے آئی لیکن صرف مہینے دو مہینے رہی اور چلی گئی۔ اس پر بھی میری ماں یہی کہتی چنکی کے جانے کے بعد ایسی ویرانی آئی کہ یہ مکان پھر آباد نہ ہو سکا۔

دو سال باہر رہنے کے بعد جب میں گھر واپس آیا تو دو چار دن تک اس مکان کا کوئی ذکر نہ ہوا۔ تب مجھے خوشی اور تشویش دونوں ہوئی کہ آخر روزی اور برکت میں اضافے والے مبارک ناموں کی طرح اس نام کا ورد ختم ہو ہی گیا؟ ایسا لگتا کہ گھر کا کوئی فرد اس مکان کے مکینوں یا اس نام کے بارے میں کبھی جانتا ہی نہ تھا۔ میں نے سوچا بہتر ہی ہے۔

مگر مجھے اس تبدیلی کی وجہ جاننے میں بڑی دلچسپی ہونے لگی۔

دل کہتا پوچھ لوں، لیکن عقل کہتی اگر کہیں میں نے وجہ پوچھ لی تو پھر حسب معمول وہی ذکر شروع نہ ہو جائے۔

''مجھے کیا معلوم تھا وہ نام جونک کی طرح مجھ سے چمٹ جائے گا''۔

بڑی خوشگوار شام تھی، میں گھومنے نکلا تو دیکھا ایک لڑکی بڑے بے تکے انداز میں کچھ لڑکوں سے بحث کر رہی ہے۔ میں نے اسی جانب رخ بدل لیا، ذرا قریب ہوا تو لڑکی کا حلیہ اور شکل دیکھ کر حیران ہوا کہ یہ عجیب گنوارسی مدھم شکل کی لڑکی، لباس اور شکل وصورت

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

سے شریف نظر آنے والے لڑکوں پر اس قدر چیخ رہی ہے اور وہ سب خاموش کیسے ہیں؟

یہ سوچتے ہوئے آگے بڑھ گیا کہ ہوگا کوئی معاملہ۔ یہ بھی سوچا کہ شکر ہے دادا نہ ہوئے ساتھ ورنہ معاملہ سلجھانے میں ضرور لگ جاتے۔ کیوں کہ اپنے پرکھوں سے سنی ہوئی بات کو وہ عقیدہ بنا بیٹھے تھے کہ دو حریفوں میں صلح کرانا صدقہ ہے۔ لیکن انھیں یہ اندازہ نہ تھا کہ اس زمانے کی بحثوں اور حریفوں کے اصول بدل گئے ہیں۔ صلح کرانے والا ہی پھنس جاتا ہے۔ قاتل یا کسی حادثہ کا مجرم تو بچ جاتا ہے مگر موقع واردات پر موجود شخص اگر غلطی سے گواہ بن جائے تو وہی مجرم قرار دے دیا جاتا ہے۔

میں روز صبح تیز تیز جھگڑے کی آوازیں سنتا اور جھنجلا اٹھتا مگر جاگنے کے بعد پوچھنا بھول جاتا کہ آوازیں کیسی تھیں۔ ایک دن شام کی چائے کے وقت وہی آوازیں آنے لگیں میں اٹھ کر جانے لگا کہ دیکھوں۔۔ فوراً امی نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا قدرے تیز آواز میں کہا خبر دار جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن عین اسی وقت میرا دوست عمران آ گیا اور ہم دونوں کسی کام سے باہر چلے گئے۔

عمران سے میں نے پوچھا ''جب سے ہمارا یہ شہر کیپٹل بنا ہے اس کی حالت مزید ابتر ہوتی جاتی رہی ہے، خاص طور سے اس محلے کی حالت بالکل جھگیوں اور چال جیسی ہوگئی ہے۔ یار! میں بڑا پریشان ہوں روز صبح نیند خراب ہو جاتی ہے۔ دل تو چاہتا ہے یہاں موجود کنجڑوں کو باہر نکال پھینکوں۔

''بات تو تم صحیح کہہ رہے ہو، انھیں کنجڑوں کی وجہ سے سارے خاندانی اور شریف لوگوں نے اس محلے کو چھوڑ دیا۔ نہ جانے کہاں کہاں سے آ گئے ہیں۔ لیکن ان سے منھ لگنے میں بڑا خطرہ ہے۔ ان کی زبانیں بے لگام ہوتی ہیں جو منھ میں آتا ہے بک جاتے ہیں۔ ان کے معاملات تو ایسے ہو گئے ہیں کہ جھوٹ ہی کوئی پولیس کو رپورٹ کر دے تو بلا وارنٹ ہی

گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ پچھلے دنوں ایسے کئی حادثات سننے میں آئے ہیں۔''

ک کک ک کیا؟ یہ کیا کہہ رہے ہو؟

ہاں میں سچ کہہ رہا ہوں۔

تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا ہے۔

ایسے کیسے کسی کو گرفتار کر لیا جائے گا، مطلب کیا ہے یہ شہر کیپٹل بن گیا تو ہم جیسے عام لوگوں نے اپنے حقوق بھی کھو دیے؟

جی ہاں! اس وقت صرف دو ہی لوگ پاور میں ہیں۔

ذاتی اور نسلی تفریق ختم کرنے کی جتنی بھی مہمیں چلائی جاتی ہیں اس تفریق کو اور ہوا ملتی ہے۔ پچھلے دو سال کے گرفتار شدگان کی Arrest Memo اٹھا کر دیکھ لو تو ان سب پر الزام یکساں طور پر ایک ہی ہوں گے اور سب کے سب ایسے معزز شہری ہیں جو اعلی سرکاری عہدوں اور سماجی کارکنان کے تمغوں سے دور رہتے ہیں۔

ہماری سرکار کر کیا رہی ہے؟؟

چھوڑو یار! ان سب چکروں میں نہ پڑو تو بہتر ہے۔ اور اگر زیادہ پریشانی ہے تو نئی بستی والے گھر میں منتقل ہو جاؤ۔

ہاہاہا۔ تم نے کبھی امچن کیا ہے کہ میرے اس مطالبہ پر دادا میرا کیا حال کریں گے۔

اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس جگہ کی اتنی بڑی قیمت چکانی پڑے گی تو اپنا مطالبہ اور اپنی صلاح دادا کے سامنے پیش کر کے ان کی جھڑکیاں برداشت کر لیتا۔ اور پھر ہم سب نئی بستی منتقل ہو جاتے۔

ایک دن جب میں وائی فائی کے چکر میں سہ دری کے کونے پر کھڑا ہوا تھا تو

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

شگافوں والے مکان کی اس لڑکی پر نظر پڑی۔ میں وہاں سے ہٹ گیا، لیکن کئی بار میں نے اسے پھر انھیں لڑکوں سے الجھتے ہوئے دیکھا تو مجھے تجسس ہوا اور پھر مجھے دادا کے صدقے والی بات سے تقویت ملی۔ میں نے ایک دن ٹوک ہی دیا پھر کیا تھا اس لڑکی نے میری طرف رخ بدل دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بحث طویل ہوگئی اور پھر پولیس کی گاڑی آ پہنچی۔ مجھے سوچنے کی بھی فرصت نہ ملی کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

دو سال کی چار ملاقاتوں میں میری ماں، دادا جان مجھے اتنا بتانے میں کامیاب ہو سکے ہیں کہ تم پر بے شمار الزامات ہیں جن سے بری ہونے میں تمہیں نہ جانے کتنا وقت لگے۔

شگافوں والے مکان کی اس لڑکی کے متعلق صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ وہ چنکی کی بیٹی ہے۔ جس کے پاس زر زمین، گھر بار کچھ نہیں تھا پچھلے ایک سال کی مدت میں اس نے کڑوروں کی جائداد جمع کر لی ہے۔

اس دن میں نے ٹھان لیا تھا کہ میں آج ساری تفصیلات پوچھ کر ہی رہوں گا کہ آخر اس لڑکی کا قصہ کیا ہے؟

یہ لڑکی سال بھر پہلے بے یار و مددگار یہاں آئی تھی، اور دوسرے ہی دن سے اس کے کارنامے شروع ہو گئے تھے۔ لوگوں نے اس سے کترانا شروع کر دیا تھا اور وہ اپنا رعب قائم کرتی چلی گئی تھی۔ اب حال یہ ہے کہ جب اس کی آوازیں آتی ہیں تو لوگ دروازے کھڑکیاں بند کر لیتے ہیں۔ یہ جو تم پوچھ رہے تھے کہ شام کے وقت لوگوں کی کرسیاں صحنوں میں کیوں نہیں بچھتیں، اس کی وجہ یہی لڑکی ہے اس کی گالیوں سے کانوں کے پردے پھٹنے لگتے ہیں لیکن کسی کو اس کے خلاف بولنے کی ہمت نہیں ہوتی ہے۔

لیکن دادا ہمارا تو اتنا دبدبہ ہوا کرتا تھا تو اس لڑکی سے خوف کیوں؟

''بیٹا یہ سکھم باسی ہے۔''

تو اس کا کیا مطلب یہ غلطیاں نہیں کر سکتے ہیں، یا پھر یہ اپنے ہر جرم کے لیے آزاد ہیں۔

یہی سمجھ لو بیٹا۔

اور وہ لڑکے جن سے الجھ رہی تھی کون ہیں وہ لوگ۔

وہ انھیں کا پورا گینگ ہے۔ جان بوجھ کر یہ عوامی مقامات پر باہم تکرار کرتے ہیں تاکہ کوئی تیسرا دراندازی کرے اور پھر انھیں میں سے کوئی نوجوان پولیس کو رپورٹ کر کے علحیدہ ہو جاتا ہے اور جائے واردات پر صرف لڑکی موجود ہوتی ہے، ایک بے یار و مدد گار لڑکی پر ظلم و جبر کرنے کے الزام میں تیسرے شخص کو گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ دراندازی کرنے والے شخص کے لیے اپنی صفائی میں بولنے کے مواقع نہیں رہ جاتے۔ فلموں اور کہانیوں میں جن بوالعجبیوں سے ہمارا واسطہ ہوتا تھا اب ہماری اصل زندگی میں ہونے لگا ہے اور رہی سہی کسر ہمارے سرکار کی بنائی ہوئی ذاتی اور نسلی تفریق نے پوری کر دی ہے۔

میری ماں کہتی ہیں اگر میں کاتب تقدیر ہوتی تو اپنے بیٹے کی تقدیر بدل دیتی اور وہ ناکردہ گناہ کی سزا میں سلاخوں کے پیچھے نہ ہوتا۔

☆☆☆

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

انمول

رہبر کے بار بار اصرار کرنے پر آج میں انمول کی ادھوری زندگی کے متعلق کچھ لکھنے آخر بیٹھ ہی گئی!!

حالانکہ انمول میری بہت اچھی دوست ہے لیکن میں بہت جلد باتیں بھول جاتی ہوں۔اس لیے اس کہانی کو مکمل کرنے میں مجھے رہبر کی رہنمائی حاصل رہی ہے۔اس بنیاد پر اگر اصل راوی رہبر کو ہی سمجھا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔میں تو محض اپنی یاداشتوں کے سہارے انمول کو یاد رکھتی جو میرے ذہن میں بس اشارے کی صورت میں موجود ہے۔اس طرح وہ میرے افسانہ کی ایک کردار نہ بن پاتی۔

انمول پچھلے کئی گھنٹوں سے موسلا دھار بارش کے مزے لے رہی تھی،وہ مزے لے رہی تھی یا کسی جاں سوز واقعہ کو یاد کر رہی تھی یا کوئی منصوبہ بنا رہی تھی یہ تو اس کا دل ہی جانے لیکن بظاہر تو یہی لگ رہا تھا کہ وہ لطف اندوز ہو رہی ہے۔کہا جاتا ہے کہ دل کا حال چہرے سے عیاں ہو جاتا ہے لیکن انمول کے چہرے میں یہی ایک کمی تھی کہ اس کا چہرہ دل کا حال عیاں نہ کرتا تھا۔ہزار کوشش کے باوجود اس چہرے کو ہمیشہ ناکامی ہی ہاتھ آئی،اس دن بھی دل کا حال نہ عیاں کر سکا جب اس کی زندگی کا سب سے اہم دن تھا۔بارش کی بوندیں کھڑکی کے اوپر بنے چھجے پر سے ٹپک کر لمحہ عجیب وغریب نقوش ابھار رہی تھیں۔بچپن میں یہ منظر بڑا خوش کن ہوا کرتا تھا ہم بچے چلا اٹھتے تھے کی یہ دیکھو میری فلاں سہیلی کا چہرہ بن گیا تو کبھی گھوڑے اور بلیوں کے ڈھانچے بن جایا کرتے تھے۔لیکن اس دن انمول ان بنتے نقوش سے یکا یک گھبرا گئی گویا کسی خوف زدہ کر دینے والے نقش کو دیکھ لیا ہو۔

اس کی یہ گھبراہٹ کب شروع ہوئی تھی اس کے متعلق تفصیل بعد میں آئے گی پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ انمول اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی بڑے ہی لاڈ پیار میں اس کی زندگی گزر رہی تھی اچانک ایک روز معلوم ہوا کہ کالج کے کسی لڑکے سے اس کی لگ سٹ ہوگئی ہے۔مانو اس نے کوئی گناہِ عظیم کر دیا ہو۔اس کے بعد سے گھر کا بچہ بچہ اس سے کترانے لگا،جو چاہتا جب چاہتا گھنٹے کی طرح ٹھونک بجا دیتا۔گھنٹے کے بجائے جانے کا تو پھر بھی وقت متعین ہے لیکن انمول پر ڈانٹ پھٹکار پڑنے کا کوئی وقت معین نہ تھا۔اس کی ماں انمول کے ساتھ اپنائے جانے والے اس رویے پر دل مسوس کر رہ جاتی۔گھر والوں نے سوچا اس سے پہلے کہ عزت خاک میں ملے کہیں اچھا رشتہ دیکھ کر شادی کر دی جائے۔عموماً ایسے مواقع پر رگ حمیت بڑی تیزی سے پھڑک اٹھتی ہے ورنہ جھوٹ،چوری چکاری،بے ایمانی،دروغ گوئی پر لوگوں کی غیرت بمشکل ہی بیدا ہوتی ہے۔

انمول کا ساتھ دینے والا کوئی نہ تھا سوائے اس کی ماں کے،لیکن اس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا اگر کوئی بہن ہوتی تو اس معاملے میں شاید کھل کر اس کا ساتھ دیتی۔انمول کے ساتھ ماں بھی لوگوں کے لعن طعن کا شکار ہو رہی تھی۔خاندان والے تربیت پر انگلیاں اٹھا رہے تھے۔

آخر کار دعا قبول ہو ہی گئی۔

خدا خدا کر کے ایک بڑے ہی معزز پڑھے لکھے اور مذہبی خانوادے سے انمول کا رشتہ آیا،اس کی ماں اور گھر کے تمام افراد نے یہ احتیاط روا رکھی کہ انمول زیادہ وقت ان کے ساتھ نہ گزار سکے۔یہاں تک کہ ساتھ میں لنچ کرتے ہوئے میسر آنے والے مختصر لمحے میں ان لوگوں نے جو چند سوالات کیے تھے اس کے جوابات بھی اس کی ماں نے خود ہی دینے کی کوشش کی۔بہر حال رشتہ پکا ہو گیا،پھر منگنی کی تاریخ متعین کی گئی،دو چار مہینے میں منگنی بھی

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

ہوگئی۔لڑکے کی بہنیں، ماں اور بھابھیاں انمول کی تعریفوں کے پل باندھتے نہیں تھکتیں ،نام کا اثر ہے لڑکی پر، بالکل انمول ہی ہے، جیسے ہمارے سعد کو کم بولنے والیاں لڑکیاں پسند تھیں بالکل ویسی ہی ملی ہے، مسکراتی ہے تو جیسے لگتا ہے روشنی بکھیر رہی ہو۔

منگنی میں بڑے تحفے تحائف دیے گئے ۔سعد کی بہنیں پھولے نہ سماتی تھیں، پہروں بھائی کے کمرے میں بیٹھی انمول کی تعریفوں کے پل باندھتیں ۔مذہبی فتاوے سے مملو دل کو ذرا کشادہ کرتے ہوئے آج کے زمانے کے چلن کے مطابق سعد نے یہ خواہش بیدار کر لی کہ انمول سے بات کی جائے اس کی پسند و ناپسند کو سمجھا جائے ،لیکن فون کرنے پر ناکامی اس کے ہاتھ آئی، یہ بات سعد کو ذرا ناگوار گزری مگر دل ہی دل میں خوش بھی ہوا کہ وہ لڑکی جو اس کی بیوی ہوگی آج کے زمانے میں اتنی پاکیزہ ہے۔

[رہبر نے معذرت کرتے ہوئے بتایا تھا کہ میرے نزدیک پاکیزگی کی علامتیں متعین نہیں اور مردوں سے بات نہ کرنے کو پاکیزگی کی دلیل ماننے کی احمقانہ بات مجھ سے ہضم نہیں ہوتی ہے۔لیکن سعد کو ایسا کہتے ہوئے رہبر نے سنا تھا اس لیے مجھے بھی اس نے یہ بات بتادی۔]

شادی اور منگنی کے درمیان عید کے موقع پر سعد کی بہن اور بھابھی عیدی لے کر جب گئیں تو انھیں انمول کی ایک حرکت تھوڑی اٹ پٹی سی لگی تھی مگر انھوں نے اسے معصومیت پر محمول کر دیا اور پھر وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے اتنی زیادہ رخصتی ملی کہ اس کی خوشی نے اس اٹ پٹی حرکت کو ذہن سے محو کر دیا اور وہ سعد یا دوسرے گھر والوں کو بتانا بھول گئیں۔اسی موقع پر شادی کی تاریخ بھی طے کر دی گئی جب کہ لڑکے والے تاخیر چاہتے تھے لیکن انمول کے گھر والوں نے کچھ مجبوریاں بتا کر عید کے ٹھیک دس دن بعد تاریخ متعین کر دی۔

رہبر کو ان ساری کارگزاریوں پر بارہا اعتراض رہا لیکن پرائے لوگوں کی کون سنتا ہے۔اتنا ہی کیا کم تھا اسے یہ حق حاصل تھا کہ اپنے مشورے پیش کر سکے۔

انمول کی شادی والے دن اس کی ماں کے سر پر خطرے کی تلوار لٹکتی رہی کیوں کہ ایک دن پہلے ہونے والی افواہ کے سچ ہونے کا خطرہ تھا۔اسی لیے ''طعام بعد نکاح'' کے بجائے بارات پہنچتے ہی چار چھ لوگوں کی موجودگی میں نکاح کر دیا گیا۔سعد کے گھر والے یوں تو جہیز کے بڑے ہی مخالف تھے لیکن اس وقت انھوں نے تحفے کی قبولیت کے متعلق اس حدیث (تحفہ قبول کرنا چاہیے چاہے وہ ایک کھر ہی کیوں نہ ہو) سے فتوی تشکیل دے لیا۔ سارا محلّہ جہیز (بنام تحائف) دیکھ کر عش عش کر رہا تھا۔

انمول کا حجلہ عروسی بھی کیا قیامت کا تھا، دلہن بن کر وہ غضب ڈھا رہی تھی، اس کی نندیں کھچاک کھچاک تصویریں لے کر دوستوں سے شیئر کر رہی تھیں ۔سعد کو بھی دلہن کی تصویر بھیجی گئی۔سنا ہے کہ اس دن سے پہلے اور پھر اس کے بعد سعد نے کبھی کسی لڑکی کو منھ بھر نہیں سراہا۔لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ اس کی گھنیری پلکوں تلے اسے سایہ نصیب ہونے والا نہیں ہے۔

[رہبر کے مطابق انمول نے بہت بڑی ناانصافی کی تھی آگے کی کہانی بتاتے ہوئے غصہ کی جھلک اس کے چہرے پر صاف دیکھی جاسکتی تھی اور مجھے اس کی یہ غیر جانب داری پسند آئی۔]

رہبر نے بتایا کہ ولیمہ کے دن میں نے سعد کے چہرے پر تھکن، مایوسی اور زندگی سے چھٹکارا پانے کی جو چاہت دیکھی تھی وہ ناقابل بیان ہے۔مذہبی تو وہ تھا ہی۔اسی لیے شاید گھر کے کسی بھی فرد سے سنہری رات میں نازل ہونے والے اس ناگہانی قہر کو اس نے بیاں نہ کیا ہوگا تب ہی تو اس کی بھابھیاں مسلسل چھیڑے جا رہی تھیں۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

ولیمہ ختم ہوا سارے مہمان چلے گئے انمول بھی شام تک گھر چلی آئی۔رات بڑی دیر تک اس کے گھر پر ڈاکٹر اور دوسرے لوگوں کی آمد ورفت رہی۔میں گھبرا گیا کہ شاید وہ باتیں جو شادی سے پہلے سات پردوں میں رکھی گئی تھیں کہیں کھل تو نہیں گئیں۔لیکن معاملہ خطرہ سے باہر تھا۔

کہتے ہیں عشق اور مشک کتنا بھی چھپایا جائے اس کی خوشبو پھیل ہی جاتی ہے۔

دوسرے پہر جب سعد انمول کو لے کر جا رہا تھا اس کے چہرے پر یہی بھیانک خاموشی اور گھبراہٹ تھی۔

گھر پہنچ کر انمول کھانا کھائے بغیر سوگئی،سب نے سوچا تھکی ہوئی ہوگی اس لیے سونے دیا جائے،سعد کی بہنیں پھوپھیاں اور دوسری چچازاد بہنیں دلہن سے بات کرنے کے لیے بے تاب تھیں لیکن وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی،سعد کی پھوپھی کو دلہن کی یہ خاموشی دیکھ کر تشویش ہوئی،لیکن انھوں نے پھر سوچا شرما رہی ہوگی۔

خلاف توقع وہ صبح میں خوف ودہشت کے عالم میں چیختی اور یہ کہتی ہوئی نکلی کہ ''وہ دیکھو وہ آرہا ہے'' سعد کی بہنوں اور بھابیوں نے مارے ڈر کے کنڈیاں چڑھالیں۔دوائیاں جو اس کی ماں نے سعد کی بہن کو یہ کہہ کر دی تھیں کہ ''یہ طاقت کی دوائیاں ہیں اسے ضرور کھلاتی رہنا'' دوائی لینے میں یہ ذرا کوتاہ ہے اس لیے یہ ذمہ داری میں تمہیں سونپ رہی ہوں۔سعد کی ماں نے وہ دوائیاں لا کر انمول کو کھلا دیں۔کچھ گھنٹے بعد اس کی حالت بہتر ہوگئی۔پھر تواتر کے ساتھ وہ دو تین دن کھلاتی رہی اور انمول ٹھیک ٹھاک رہی۔گھر والوں کو یہ بات بڑی عجیب لگ رہی تھی ایک دوسرے سے کانا پھوسی کرتے پھر رہے تھے مگر کھلی زبان سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔لیکن جب سعد کی بہن کالج جانے لگی تو دوائیوں میں ناغہ شروع ہوگیا اور انمول کی وہی حرکتیں شروع ہوگئیں۔تب سعد نے اپنے بڑے بھائی کو

انمول کے سارے پریسکرپشن اور دوائیاں دکھائیں۔اس کے بعد گھر والوں پر جو بیتی اس صورتحال کو بلا مبالغہ ماتم سے تشبیہ دی جانی چاہیے۔انمول کی ماں یہ بات ماننے کے لیے تیار ہی نہ تھی کہ اس کی بیٹی کا دماغی توازن خراب ہے۔ہفتوں تک دونوں خاندانوں میں بحث و مباحثے ہوتے رہے۔

جب بات بہت آگے بڑھ گئی تب سعد نے اس رات کا حادثہ بیان کیا جسے بیان کرنا شرعاً مکروہ سمجھا جاتا ہے۔بازبانی سعد کے ''اس نے رو رو کر برا حال کرلیا تھا اور اپنی تمام حرکتوں سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ ابنارمل ہے۔اس نے اپنے تن سے زیورات اور کپڑے نوچ کر پھینک ڈالے تھے اور مجھے کمرے سے باہر دھکیلتے ہوئے کہا تھا تم مجھ سے دور رہو،مجھے ہاتھ نہ لگانا،میری ماں کے پاس ایسی طاقت ہے کہ وہ سب کچھ دیکھ سکتی ہے، سعد نے سارے فقہی مسائل اسے سمجھا ڈالے کی اب وہ اس کی امانت ہے اور باہم رشتہ بنانے سے کوئی چیز مانع نہیں،اور رہی تمہاری ماں کی بات تو کوئی بھی یہ طاقت نہیں رکھتا کہ غیب کی باتیں جان سکے یا دیکھ سکے۔لیکن انمول نے حد کر دی۔

اِس وقت بارش کی بوندوں سے بنتے نقوش دیکھ کر جو گھبراہٹ انمول پر طاری ہے وہ اس دن سے شروع ہوئی تھی جب اس کے ماموں نے موسلا دھار بارش میں اس کے عاشق کو ادھ مرا کر کے پھینک دیا تھا۔اس دن کے بعد اس کا کچھ اتا پتہ نہ ملا کہ وہ کہاں غائب ہوگیا،ایک لمبی غیاب کے بعد بھی انمول اسے بھلا نہ سکی۔تب اس کی ماں کو ایک ترکیب سوجھی اور اس نے یادداشت کمزور کرنے کے گنڈے پہنانے،ذہنی جھٹکے لگوانے اور پاگل پن کے انجکشن لگوانے شروع کر دیئے۔ڈاکٹر سے مشورہ کر کے اس نے صرف اتنے انجکشن لگانے کو کہے کہ اس کا ذہن منتشر ہو سکے مگر ڈاکٹر۔۔۔۔

گھر والوں کو سعد کی بہت فکر ہو رہی تھی،سعد کے چہرے پر چھائی ہوئی مردنی

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

دیکھ کر وہ لوگ اچھے سے اچھے ڈاکٹر سے انمول کا ذہنی علاج کروا رہے تھے لیکن وہ کسی طور سنبھلنے میں نہیں آ رہی تھی، دن بدن اس کی حالت مزید ابتر ہوتی جا رہی تھی، دوسری طرف گاؤں محلے اور رشتہ داروں کی نظروں سے اس کی اس حالت کو پوشیدہ بھی رکھنا تھا۔ بالآخر سعد کے بڑے بھائیوں نے تنگ آ کر طلاق دینے کی صلاح رکھی لیکن سعد۔۔۔

طلاق کے متعلق جب انمول سے بات کی گئی تو اس کا چہرہ کوئی تاثر عیاں نہ کر سکا۔ سعد کے ساتھ اس کا وہی اجنبیوں جیسا رویہ رہا، دل پر پتھر رکھ کر وہ اس عذاب کو جھیلنے کا حوصلہ پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر ایک دن انمول پر ہسٹیریائی کیفیت طاری ہوئی تو اس نے بہت سی اول فول باتیں بکنے کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ اس کی مرضی کے بغیر جبراً یہ شادی کی گئی ہے وہ تو کسی اور سے۔۔۔۔

سعد اس حقیقت کو برداشت نہ کر سکا اور۔

☆☆☆

کپوت

جن میں بیل رہتے ہیں وہ چھپر بھی گرنے کے قریب ہے برسوں پرانا مرغیوں کا ڈربہ جس کے پائے زمین میں دھنسے ہوئے ہیں وہ بھی الٹنے کے کھنگار پہ ہے۔ نیم کے درخت کی دسیوں ڈار سوکھ چکی ہیں اسی بار جب ویرو آیا تھا کٹوانے کے لئے کہہ گیا تھا۔ ہے پربھوا اتنے سارے کام ہیں کیسے سب کو سمیٹوں دھیرو بیٹھا بڑبڑا رہا تھا!

مگر سارے کاموں کو ایک طرف کر کے اس نے سب سے پہلے بیلوں کو پانی دیا بھینس کی ناند میں بھوسا ڈالا اور پھر تھوڑا بہت کام کر کے جلدی سے فارغ ہو کر نئی دھوتی، نیا کرتا اور چپل نکال کر رکھا جسے وہ مشکل سے ہی سال میں ایک دو بار نکالتا تھا۔

ادھر سے گزرتے ہوئے پردھان جی نے سوچا چلو دھیرو کاکا کے یہاں ایک چکر لگا آتے ہیں۔ جب وہ آئے دیکھا کہ دھیرو کاکا نئی دھوتی پہنے، سر میں تیل لگائے آنگوچھا سنبھالے کہیں جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔

کہیں جا رہے ہو کیا دھیرو کاکا؟ پردھان جی نے پوچھا!

ہاں دو سال ہو گئے ویرو بیٹا ملنے نہیں آ سکا اسی سے ملنے سہر جا رہا ہوں اور تمہارے ہی بیٹے سے تو اس نے کھبر (خبر) بھیجوائی تھی کہ اس کے پاس پیسے کی جرا پریسانی ہے اور کام بھی بہت ہے اس لئے نہیں آ سکا!

تو میں نے سوچا چلو میں ہی تھوڑا موڑا گلہ پانی بیچ کر اس سے ملنے چلا جاؤں اسے دیکھے ہوئے بہت دن ہو گئے اور بڑا من چاہ رہا ہے دیکھنے کا! رام جی میرے بیٹے کو سدا سکھی رکھنا! دھیرو نے اس کا فوٹو دیکھتے ہوئے کہا جسے وہ ہمیشہ اپنے کرتے کے جیب میں

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

رکھتا تھا۔

دھیرو کا کا کی باتیں سن کر پردھان جی حیرت میں پڑ گئے ! ارے .....کا کا آپ یہ کیا کہہ رہے ہو؟ آپ کا بیٹا کلکٹر ہے سینکڑوں لوگ اس کے حکم پہ ناچتے ہیں اور وہ اتنے بڑے آفس میں رہتا ہے کہ اس میں پیسہ چھاپنے والی مسین بھی لگی ہے (A.T.M کو انہوں نے پیسے چھاپنے والی مشین کہا) میں نے خود دیکھا ہے ادھر ادھر کی سنی بات نہیں کہہ رہا ہوں پرسال میرا بیٹا مجھے نکھلؤ لے گیا تھا تبھی تو میں یہ چھوٹا فون خرید کر لایا تھا (موبائل) کو چھوٹا فون کہا) تمہارے بیٹے کی ٹھاٹ باٹ دیکھ کر تو میں دنگ ہی رہ گیا پیسے کی بات کر رہے ہو اسے تو کسی سے پوچھنا جانچنا بھی نہیں جب چاہے ملنے آسکتا ہے ارے دھیرو کا کا تمہارا بیٹا اتنا بڑا صاحب بن گیا ہے کہ اب اسے کسی چیج (چیز) کی پریسانی نہیں!

پردھان جی کی باتوں پر دھیرو کو ذرّہ برابر یقین نہیں آیا اور یقین بھی کیسے آتا.....؟؟؟

انہوں نے کہا ارے پردھان جی تم یہ کیا کہہ رہے ہو جس دن میرا بیٹا مجھ سے اس طرح جھوٹ بولے گا اس دن گنگا الٹی بہنے لگے گی۔

اس کے ساتھ جرور کوئی مجبوری ہے۔ اور کیا کرے سرکاری نوکری والوں کو اتنا کرنا ہی پڑتا ہے ورنہ وہ مجھ سے اتنا پیار کرتا ہے کہ اس کا بس چلے تو روج ہی ملنے آیا کرے۔

اپنے بیٹے کے خلاف دھیرو ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا تھا کیوں کہ اسے اپنے بیٹے اور اپنی تربیت پر بہت بھروسہ تھا،

ویرو نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اس کے باپ نے ہر ہر قدم پہ چھوٹی سے چھوٹی خواہش بھی پوری کی تھی اپنی کمائی کا ایک ایک آنہ اس کی پڑھائی کے لئے خرچ کرنے کو تیار

رہتا گاؤں میں محنت مزدوری کر کے، دن رات ایک کر کے، کھیتوں میں ہل چلا کر جتنی بھی کمائی ہوتی سب ویرو کی کاپی کتاب اور کپڑے پر خرچ کر دیتا، خود تو سوکھی روٹی کھا کر گزر کر لیتا مگر ویرو کے لئے جلیبیاں لانا نہیں بھولتا ننگے پیر دھوپ میں سر پہ رومال بھی نہیں کھیت جوتنے چلا جاتا مگر اس کے لئے جوتے اور ٹوپی ہر سال کے شروع میں ضرور خرید دیتا۔ مالک صاحب اگر کرتا سلوانے کے لئے کبھی کبھار کپڑا دیتے تو ویرو کے لئے اس کپڑے کی شرٹ سلا دیتا۔

ایک بار جب اس کے پاس ٹائی نہیں تھی! اس کے ماسٹر صاحب نے سزا میں کھڑا کر دیا ہے تو اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے دوسرے ہی دن جنگل سے لکڑیاں لا کر بیچا اور بیٹے کو ٹائی کے پیسے دیئے

جی جان لگا کے کر وہ اپنے بیٹے کو تعلیم دے کر ایک سرکاری افسر بننے کا خواب دیکھتا۔ ہمیشہ اسے تربیت دیتا کہ بیٹا کبھی کسی کا حق مت مارنا سوکھی روٹی کھا کر گزار لینا مگر کبھی بے ایمانی مت کرنا، ویرو اس کی ہر بات ایک فرمابردار بیٹے کی طرح مانتا اور یکسوئی کے ساتھ پڑھائی کرتا اسے خود بھی ایک سرکاری افسر بننے کا شوق تھا، گوالوں اور بنکروں کے محلے میں رہ کر بھی وہ کبھی اِدھر اُدھر گھومنے نہیں جاتا۔

بارہویں پاس کرنے کے بعد جب ویرو کے آگے کی تعلیم کے لئے دھیرو کے پاس پیسے نہیں تھے وہ پریشان رات بھر سوچتا رہا کہ کیا کرے کہاں سے پیسوں کا انتظام کرے، مگر اس کے دل میں ایک بار بھی یہ خیال نہیں گزرا کہ بیٹے کی پڑھائی چھڑوا دے۔ صبح میں ویرو مایوس چہرہ بنائے نیم کے درخت کے نیچے بیٹھا تھا۔ بیٹے کے چہرے پر اداسی کے آثار دیکھ کے باپ کا دل ٹیس اٹھا اور اس نے آخر کار وہ زمین بیچنے کا فیصلہ کر لیا جو اسے باپ داداؤں سے وراثت میں ملی تھی اور بیوی کے پازیب جو آخری نشانی کے طور پر اس کے

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

پاس موجود تھی اس نے ویرو کے پاس جا کر کہا ''بیٹا تو پریسان مت ہو میں نے تیرے لئے انتجام کر لیا ہے'' تیری ہر خواہش پوری ہوگی اور بھگوان نے چاہا تو تیری سرکاری افسر بننے کی اِچھا بھی پوری ہو جائے گی۔

خوشی سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ بتاؤ بابا کہاں سے انتظام ہوا؟

اس نے بتایا کہ وہ ندی کے اس پار والی زمین بیچ رہا ہے یہ سن کر ویرو کے وجود پر تو کوئی جنبش نہیں ہوئی مگر اس کے باپ کو ایسا لگا کہ یہ جملہ ادا ہونے کے بعد اس کے اندر کی طاقت ختم ہوگئی۔

زمین بیچ کر جب روپئے ہاتھ میں لئے تو اسے محسوس ہوا کہ کسی نے اندر سے جھنجوڑ دیا اور ذہن میں ایک شور سا برپا ہو گیا اسے خود پر اختیار نہیں رہا، آنکھوں کے سامنے لہلاتے دھان اور دوسری فصلیں گردش کرنے لگیں۔

خیر اپنے اوپر قابو کر کے اس نے دوسرے دن ویرو کو پڑھنے کے لئے شہر بھیج دیا اس کے لئے کھانے پینے کی چیزیں اور دوسرے ضرورت کے سامان بھی خرید دیئے۔

کھیت بیچنے کے بعد گاؤں کے دوسرے کسان اور گوال پھتیاں کستے اور حقارت کی نظر سے دیکھتے۔ اور اس کے مالک صاحب نے بھی ایک دن کہہ دیا کہ خواہ مخواہ تو نے زمین بیچ دی آگے پتہ نہیں کیا ہو؟ لیکن دھیرو پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا وہ تو بس اس امید سے خوش رہتا کہ ایک دن اس کا بیٹا ایک بڑا افسر بن جائے گا اور یہ ساری پریشانیاں ختم ہو جائیں گی اور پھر وہ بھی ایک افسر کا باپ بن کر کرسی پہ آرام کرے گا۔

کھیت بیچنے کے بعد اس کے پاس کوئی پونجی نہیں تھی جس کے سہارے وہ زندگی گزارتا۔ مگر پھر بھی دوسروں کے کھیت بٹائی لے کر اسے اتنا غلہ مل جاتا جس سے وہ اپنا پیٹ بھر سکے اور اس کے علاوہ ادھر ادھر سے محنت کر کے اپنے بیٹے کی ضرورت کے سامان بھی

گاہے بگاہے بھیج دیتا۔

آٹھ سال کسی طرح گزرنے کے بعد ویرو کی پڑھائی پوری ہوگئی اور اسے سرکاری نوکری ملی تو دھیرو کے خوشی کی انتہا نہ رہی اس نے مندر جا کر بھگوان کی چرنوں میں مٹھائیاں چڑھائی اور پورے محلے میں بھی مٹھائی بانٹی۔ بیٹے کی کامیابی سن کر۔ لگ رہا تھا کہ اسے ساری خوشیاں مل گئی ہیں اور اسے زندگی کا مقصد بھی مل گیا۔

نوکری ملنے کے دو سال بعد ویرو گاؤں لوٹا تو محلے کے لوگ اس سے ملنے آئے۔ اور باپ یہ سوچ کر پھولے نہیں سما رہا تھا کہ اب سارا جھنجھٹ اور ساری ذمہ داری ختم ہوگئیں۔

لیکن دو دن رہنے کے بعد وہ یہ کہہ کر جانے لگا کہ بابا ابھی تو نوکری ملی ہے اور تنخواہ بھی اتنی زیادہ نہیں ہے بھگوان نے چاہا تو اگلی بار آؤں گا تو تمہیں شہر دکھانے کے لئے ساتھ لے جاؤں گا اور ویسے بھی تم اس ماحول میں نہیں رہ پاؤ گے گاؤں کے ماحول اور وہاں میں بہت فرق ہے اور باپ دادا کی یادیں بھی یہیں بسی ہیں تم سب کچھ چھوڑ کے وہاں کیسے رہ پاؤ گے''

اس طرح چالاکی سے وہ اپنے باپ کو بہلا پھسلا کر چلا گیا مگر بھیرو نے ارادہ کو بھانپ لیا تھا کیوں کہ اس کے بال دھوپ میں سفید نہیں ہوئے تھے۔

دو سال بعد جب وہ اپنے کئے ہوئے وعدہ کے مطابق ملنے نہیں آیا تو باپ کی محبت جوش مارنے لگی اور وہ ملنے کا ارادہ کر کے تیار ہو گیا وہی کپڑے پہنے جو دو سال پہلے اپنے بیٹے کی کامیابی کی خوشی میں خریدا تھا سر میں خوشبودار تیل لگایا اور پھر جگت کے یہاں سے ویرو کی پسندیدہ مٹھائی بیسن کے لڈو اور دوسری پسندید چیزیں بھی خریدیں۔

اور اس وقت جب پردھان جی اس کے بیٹے کے متعلق ایسی باتیں کہہ رہے ہیں

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

تو کیسے یقین کرتا۔ وہ ان باتوں کی پروا کئے بغیر شہر جانے کے لئے نکل گیا۔

پورے راستے یہی سوچتا رہا کہ اپنی پسندیدہ مٹھائی دیکھ کر ویرو بیٹا کتنا خوش ہوگا اتنے دن بعد مجھے دیکھ کر وہ گلے لگا لے گا اس بار تو وہ ضرور اپنے پاس روکے گا، لیکن میں اس کے پاس نہ رکوں گا گھر پہ اتنا سارا کام پڑا ہے.....اور پھر میرے وہاں رہنے سے اسے تھوڑا بہت پریشان تو ہونا ہی پڑے گا انہیں خیالات میں راستہ ختم ہوگیا اور وہ شہر پہنچ گیا۔

وہاں پہنچ کر اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کہاں جائے وہ ہاتھ میں کاغذ پہ لکھا ہوا ایڈرس لے کر کبھی کسی پولس سے کبھی رکشہ والے سے تو کبھی گاڑی والے سے پوچھتا ہوا آخر کار سینٹرل بلڈنگ پہنچ ہی گیا اتنی اونچی بلڈنگ دیکھ کر وہ حیرت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت سے حواس باختہ منھ کھولے کھڑا کچھ لمحے تک دیکھتا رہا۔ پھر فخر سے گردن اونچی کر کے کہ میرا بیٹا اتنا بڑا افسر بن گیا ہے کہ اتنی اونچی اور چمکتی بلڈنگ میں رہتا ہے۔ اس کا دل چاہا کہ اپنی پگڑی اتار کر بھگوان کی چرنوں میں ڈال دے۔

خوشی اور سرشاری کے عالم میں وہ گانے لگا۔ اس کے بعد جیسے ہی بلڈنگ کے گیٹ پہ قدم رکھا گیٹ کیپر نے یہ کہہ کر اسے روکا کہ ''اے بڈھے کہاں جارہا ہے''۔

''ارے میں اپنے بیٹے ویرو سے ملنے آیا ہوں''۔ کون ویرو؟ یہاں کوئی ویرو پیرو نہیں ہے جلدی نکل جا یہاں سے!!!

پھر اس نے کہا ''میں کلکٹر ویریندر پرساد یادو کا باپ ہوں'' تب گیٹ کیپر نے راستہ چھوڑ دیا۔ مگر کہا آپ ایسے نہیں مل سکتے پہلے سر سے Entery کی Permission لے کر آتا ہوں ہو اور سر خود بھی آپ کو سی سی ٹی وی کیمرے میں دیکھ لیں گے تب آپ کو اندر جانے دیا جائے گا۔

اندر سے جب گیٹ کیپر واپس آیا تو اس کا جواب سن کر کانوں کے پردے پھٹ گئے اور اس کے پیر زمین میں دھسنے لگے۔

گیٹ کیپر کا جواب یہ تھا کہ سر آپ کو نہیں پہنچانتے کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا ہے کہ ''ہوگا کوئی کام کرنے والا'' اور انہوں نے کیمرے میں پہچان کر کہا ہے کہ بہت پہلے یہ میرے گھر پہ کام کیا کرتا تھا۔

یہ سن کر بھیرو حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگا پھر کیا تھا گیٹ کیپر نے ایک آواز لگائی Security!Security.....! پوری ایک فوج جمع ہوگئی۔ اور دھیرج پرساد کو ہاتھ کھینچ کر باہر کر دیا اور اس کے تھوڑا اکڑنے پر ڈنڈے کا بھی سہارا لیا گیا۔

یہ سارا تماشہ ویریندر پرساد یادو اپنے Air Conditioner روم کے Corner Window سے دیکھتا رہا اور اپنی بانہوں میں نیم برہنہ مغربی عورت کو لئے اس کی زلفوں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

اس بدنصیب نے اپنے باپ کو ذلت اور حقارت کے شکنجوں میں ڈال کر اتنا کہنے کے لئے بھی نیچے آنا گوارا نہ کیا کہ انھیں چھوڑ دو۔۔۔۔

اور وہ عظیم باپ چیختا رہا کہ ''بھگوان کے لئے مجھے ایک بار میرے ویرو سے ملنے دو میں اب کبھی یہاں آنے کی جرت (جرأت) نہیں کروں گا یہ کہتے کہتے اس کی آواز حلق میں پھنس گئی سانسیں رکنے لگیں ہاتھ پیر ٹھنڈے ہوگئے اور وہ زمین سے نہیں اٹھ سکا بہت کوشش کی کہ ایک بار پھر اس بلڈنگ کی طرف دیکھ لے شاید اس بھیڑ میں ویرو نظر آجائے مگر اس کی آنکھیں پتھرا گئیں اور آنکھوں کے پپوٹے اتنے بھاری ہوگئے کہ وہ دوبارہ نہیں کھول سکا۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

اب کی بارش نے چھپر کو گرا دیا اور ڈربہ کا ایک پایہ بھی اکھڑ گیا آندھیوں نے نیم کے درخت کو بھی جڑ سے اکھاڑ دیا۔لیکن ان سب کو سنبھالنے اور درست کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

☆☆☆

اپنا کہیں جسے

تم ایسا کیوں کرتی ہو؟؟ سمجھ میں نہیں آتا زینت تم کس طبیعت کی لڑکی ہو،تمہیں تو سمجھانا ناممکن ہے،تمہارے اندر کب سنجیدگی آئے گی؟؟

نکہت ایک سانس میں بولے جا رہی تھی۔

''لیکن نکہت کو کیا معلوم کہ اس دن اس کے غیروں جیسے رویے کی وجہ سے مجھ پر کیا گزری تھی، پہلے تو مجھے محسوس ہوا کہ شاید میں نے اسکالرشپ والی بات اسے نہیں بتائی اس لیے اس کے رویہ میں تبدیلی آ گئی ہے۔پھر مجھے خیال آیا کہ کیا اتنی ذرا سی بات پر وہ دوستی کو اثر انداز ہونے دے گی۔پھر جب وہ کالج میں ملی تب بھی۔۔۔۔۔''

''اپنے ہاسٹل میں دو لڑکیوں کی باہمی گفتگو (جس میں نکہت کا ذکر تھا) سن کر میں نے سوچا کیوں نہ اسی طرح کی بات نکہت سے کہہ دوں، دیکھتی ہوں اس کا کیا ردعمل ہوتا ہے؟؟ اتفاق کہ اس وقت میں نماز پڑھ رہی تھی۔ذہن میں وارد ہونے والی اس نئی سوچ کے متعلق میں نے سوچا یہ ضرور شیطان کا بہکاوا ہوگا،،مارے خوف کے نفلیں پڑھنے لگی،تب بھی وہ نادر خیال ذہن میں جوں کا توں موجود رہا، پھر میں نے سوچا شاید یہ شیطان کا وسوسہ ہی ہے،لہٰذا میں تلاوت کرنے بیٹھ گئی،تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد بھی۔۔۔

''آخر میں نے اس سوچ کو حکمت الٰہی سمجھ کر میسیج کرنا شروع کیا''سلام دعا کے بعد میں اپنے مدعے پر آ گئی۔۔پھر کیا تھا نکہت آگ بگولہ ہوگئی، کہنے لگی کہ''کون ہے وہ جس

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

نے میرے بارے میں اس طرح کہا، اس کا نام بتاؤ میں ابھی جا کر اس کا دماغ ٹھیک کرتی ہوں، وہ ہوتی کون ہے میرے ذاتی معاملے میں دخل اندازی کرنے والی؟؟

میں نے بہت کہا کہ درگزر کرو ایسی باتوں کی تحقیق کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، لوگ تماشا بنائیں گے، لیکن وہ تو۔۔۔

معاملے کا رخ غلط سمت میں مڑتے ہوئے دیکھ کر میں نے فون کر کے اسے سمجھایا کہ اس مسئلے کو نظر انداز کر دو۔۔تب وہ مزید بھڑک گئی، اور زار و قطار رونے لگی۔

اس کے آنسو دیکھ کر میں یقیناً شرمندہ تھی، میں نے لوگوں سے کہتے ہوئے سنا تھا کہ ''رونے سے تزکیہ نفس ہو جاتا ہے'' یہی سوچ کر میں نے خود کو جذباتی ہونے سے بچا لیا۔اور اپنے مقصد کو راز ہی رکھتے ہوئے مجبور ہو کر میں نے ایک ایسی لڑکی کا نام لیا جو اسے مل نہیں سکتی تھی۔لیکن نکہت کا غصہ آپے سے باہر ہو رہا تھا، وہ ملزم کی دوستوں سے باز پرسی کرنے پہنچ گئی، معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک نے کہا کہ میرے خدا کی قسم اس طرح کی باتیں ہم نے تمہارے بارے میں کبھی نہیں کی ہیں، دوسری نے ہاتھوں میں کتاب لے کر قسم کھائی، گویا اپنے اپنے بچاؤ کے لیے ہر ایک نے کوئی نہ کوئی حربہ استعمال کیا۔

ملزم کی دوستوں میں سے پانچویں نے جو حربہ آزمایا اسے سن کر تو میں بھی حواس باختہ رہ گئی۔

اس کی بات سن کر فوراً نکہت نے فون کیا اور کہنے لگی کہ ''زینت سارے معاملے میں تمہارا قصور ظاہر ہو رہا ہے۔۔یہاں پر سب کی باتوں سے لگ رہا ہے کہ تم ہی میرے خلاف ذلت آمیز باتیں لوگوں سے کرتی رہتی ہو۔لیکن میں ان کی باتوں پر یقین نہیں کر سکتی، کیوں کہ تم میری دوست ہو اور مجھے تم پر بھروسہ ہے۔لیکن دیکھو زینت آئندہ ایسی باتوں سے گریز کرنا ورنہ۔۔۔۔''

اور پھر وہ ایک سانس میں بولتی چلی گئی۔

لیکن مجھے نکہت کی کسی بات کا برا نہیں لگا۔اس کی پھٹکار سے میرے اس وہم کا ازالہ ہو گیا جو اس کے خلاف معمول رویے کی وجہ سے میرے ذہن میں پیدا ہو گیا تھا، اور مجھے لمحہ بہ لمحہ یقین ہوتا گیا کہ بڑے سے بڑا مسئلہ بھی ہماری دوستی کو کمزور نہیں کر سکتا۔

وہ برہم ہو کر مجھے اس gossip کے بارے میں بتاتی رہی جو ملزم کی دوستوں کے درمیان میرے بارے میں ہو رہی تھیں، لیکن مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اور نہ کوئی غصہ اور جھنجھلاہٹ۔۔۔میرے اس cool رویہ پر اسے غصہ ضرور آ رہا ہوگا لیکن اس نے اظہار نہیں کیا۔۔مگر اس بات پر ضرور اصرار کر رہی تھی کہ تم دنیاداری سے بچ کر رہا کرو۔

میں نے بہانے سے اس کی بات کو ٹالتے ہوئے کہا ''یار!! افسانہ لکھنا تھا لیکن مسئلہ بڑا سیدھا سا تھا اس میں الجھاؤ لانے کے لیے یہ ٹینشن create کیا، اب غالب کی طرح قوت تخیل تھوڑی ہے، اور ویسے بھی کمبخت سائنس اور ٹکنالوجی کی مختلف النوع ایجادات نے تخیل کو محدود کر کے رکھ دیا ہے، کوئی بات ایسی رہ ہی نہیں گئی ہے جس کے بارے میں ہم سوچیں اور اگلے ہی لمحے وہ روبہ عمل آتی ہوئی دکھائی نہ دے۔۔اور یہی وجہ ہے کہ معاصر افسانے سپاٹ نظر آتے ہیں۔

نکہت کی بچی کل تم صرف مل جاؤ مجھے، تمہیں پیٹ پیٹ کر بھرتہ نہ بنا دیا تو میرا نام بھی۔۔۔

میں نے صرف اتنا کہا۔''کوئی تو ہوا اپنا کہیں جسے۔۔۔''

☆☆☆

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

اداسی کا سبب

کہانی کا آخری جملہ پڑھ کر اس نے امی سے پوچھا کیا امی ایسا ہوتا ہے کہ انسان سمندر کے پاس بیٹھا ہو پھر بھی ایک قطرے کے لئے ترسے؟ ثمینہ بیگم اس کا جواب دیے بغیر شروع ہوگئیں'' ارے اس لڑکی کو نہ جانے کیا سوار ہے کہانیاں پڑھ پڑھ کے الٹے سیدھے سوال کرنے بیٹھ جاتی ہے۔

چل چپ چاپ بیٹھ کر آم کے چھلکے اتار'' انھوں نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

تب تک دروازے پر دستک ہوئی، جاؤ دیکھو کون آیا ہے؟

اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا، ارے بڑے ابو آئے ہیں۔ اچھا تو آج صبح پرندے آپ کی آمد کا ہی مژدہ سنانے کے لئے ہماری منڈ پر پر چہچہا رہے تھے'' بڑے ابو تھیلا اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے مسکرانے لگے۔

''میں نے سوچا تھا کہ آج دوپہر میں سادہ سا لنچ تیار کرلوں گی مگر اب تو کچھ اسپیشل پکانا پڑے گا۔ ہاتھوں کو ملتے ہوئے اس نے کہا'' کیا پکاؤں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے ''۔

جب سورج کی تمازت بڑھنے لگی تو امی جان (ثمینہ بیگم) آنگن سے اٹھ کر کچن میں آئیں۔

'' کیا پکوان پکانے جارہی ہو جو اس قدر سوچ میں پڑی ہو۔'' انہوں نے گھورتے ہوئے کہا۔

لگ رہا ہے بڑے بھائی صاحب آج راستہ بھٹک کر ہمارے یہاں آگئے ہیں یا

پھر حویلی والوں نے توجہ نہیں دی ہوگی۔

امی کا رویہ دیکھ کر سمیہ کو حیرت ہوئی۔

امی آپ اس طرح کیوں کہہ رہی ہیں۔ بڑے ابو ہمارے یہاں نہیں آتے کیا؟

ایسے ہی بھول بھٹک کر آجاتے ہیں جیسے آج آگئے ہیں۔

ثمینہ بیگم (امی) کی باتوں کو نظر انداز کر کے وہ کچن میں مصروف ہوگئی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد اس کے ابو نے کہا۔''سمیہ بیٹا تمہیں تو پتہ ہے بڑے ابو کو میٹھا کتنا پسند ہے''۔

ان کے لئے کیا تیار کیا ہے؟

کھیر.....

کیا بات ہے بھئی تمہیں تو بڑے ابو کی پسند بڑی اچھی طرح یاد ہے۔

بڑے ابو نے مسکراتے ہوا اس کی طرف دیکھا۔

بڑی امی کا جب سے انتقال ہوا ہے وہ اسی طرح صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

سمیہ نے شام میں بڑے ابو کو چائے کے بجائے کھاجہ اور دوسری مٹھائیاں دیں۔

جب کام سے ذرا سی فرصت ملی تو وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ گفتگو کے دوران اسے بڑے ابو کی باتوں میں کچھ خالی پن محسوس ہوا۔

وہ اس خلاء کو پوری کرنے کی ناکام کوشش کررہے تھے۔ سمیہ کی گفتگو ختم نہیں ہوئی تھی کہ اس کے ابو بھی آگئے اور وہ بھی ان کے ساتھ شریک ہوگئے۔

رات میں سب سوگئے لیکن بڑے ابو پھٹی آنکھوں سے اندھیرے کمرے کو گھورتے رہے جس کی فضا دھواں دھواں ہورہی تھی۔ یہ منظر دیکھ سمیہ کے ذہن میں تشکیک کا

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

پرندہ اڑے لگا مگر پھر تھوڑی ہی دیر میں وہ کشمیری چادر کے لمس اور چینی کمبل کی آغوش میں کھو گئی۔لیکن رات بھر خواب میں بڑے ابو کے چہرے نے اسے تکلیفوں کی صلیب پر لٹکائے رکھا۔

صبح ہوئی تو گنگناتے منظر اور گیت گاتی ہوئی ہواؤں سے لطف اندوز ہونے کے بجائے رات کا دھواں آلود کمرہ اور بڑے ابو کا دل فگار چہرہ اس کے ذہن میں تجسس کے جراثیم پھیلاتا رہا۔اسی تجسس میں اس نے ناشتہ تیار کیا۔ناشتے کی ٹیبل پر اپنے ابو اور بڑے ابو کی باتیں کان لگا کر بڑے غور سے سنتی رہی۔

''بھیا آپ نے منت کی شادی کر کے بہت بڑی بھول کر دی۔''میں کوئی خدا تھوڑی ہوں''بڑے ابو نے کہا۔

ہاں! صحیح بات ہے انسان اپنی غلطیوں سے ہی سیکھتا ہے مگر یہ غلطی ایسی ہے جو مرتے دم تک آپ کو پریشان کرتی رہے گی آپ نے شادی اس امید پر کی تھی کہ اپنا ہی بھتیجا داماد بن جائے گا تو رشتہ زیادہ مضبوط ہو جائے گا اور داماد ہی بیٹے کی جگہ لے کر بڑھاپے کا سہارا بن جائے گا۔لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹا ہو گیا صرف دولت کی دیوی کو انہوں نے نگاہوں میں بسا لیا اور اسی کی ہوس میں وہ اندھے ہو گئے ہیں۔اور آپ کی تنہائی اور پریشانی انھیں دکھائی نہیں دے رہی ہے۔

بڑے ابو نے ساری باتیں سن کر ایک لمبی سانس لی جو بے پناہ شکستگی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

ان دونوں کی گفتگو سے سمیہ نے کچھ ایسے اسرار کی نشاندہی کر لی جس سے وہ ابھی تک ناواقف تھی۔

ناشتہ کے بعد ابو تو آفس چلے گئے لیکن بڑے ابو تنہا روم میں لیٹے ہوئے دیوار

پر آویزاں تصویر کو گھورتے رہے جس میں ایک شخص گلدستہ لئے کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا جس پر لکھا ہوا تھا''گزرتے وقت نے پرانی چیزوں کو دھندلا کر دیا ہے اب ساون کے جھولوں سے اور آم کے باغوں سے گنگنانے کی صدا نہیں آتی ہے''۔

اس منظر کو دیکھ کر اور رات کے منظر کو یاد کر کے سمیہ اپنے خیالات کو ایک ڈوری میں پرونے کی کوشش کرنے لگی مگر ناکام رہی۔وہ چاہتی تھی کہ آخر یہ طلسم کسی طرح تو ٹوٹے۔آخر کیا بات ہے جو بڑے ابو اس قدر خیالوں میں زیروزبر رہتے ہیں۔

کٹے ہوئے کچے آموں کو دھوپ میں رکھ کے ثمینہ بیگم نیچے آئیں تو انہوں نے گھورتے ہوئے سمیہ کو مخاطب کیا! کیا بڑے بھائی یہیں پر ڈیرا جمائیں گے۔ان کی بات نظر انداز کر کے وہ پہلو میں بیٹھ کر ان کے ہاتھوں کو سہلاتے ہوئے اور انگلیوں کو چھیڑتے ہوئے نہایت ہی بچکانہ انداز میں بولی،امی جان کھانے میں کیا پکاؤں؟

انہوں نے بھنا کر جواب دیا۔کرنا دھرنا کچھ آتا نہیں اور بس چلے تو مہمانوں کی فوج مدعو کر لے۔ویسے بھی تو اپنے مرضی کی مالک ہے جو چاہے پکا لے اور ہاں بھائی صاحب سے بھی پوچھ لینا کیا کھائیں گے یہ بھی نہ جانے کس دماغ کے آدمی ہیں بالکل جم کر بیٹھ گئے ہیں۔

اس بات پر تو سمیہ بالکل بپھر گئی۔امی آپ ایسے جملے کیسے ادا کرتی ہیں۔آپ کو کسی کا درد دکھائی نہیں دیتا،صرف ایک ہی چیز نظر آتی ہے کہ وہ اتنی property کے مالک ہیں تو انھیں کیا غم ہوگا۔

لیکن سچ تو یہ ہے کہ وہ لاشعور کے اندھیروں میں کچھ ٹٹول رہے ہیں،ان کے چہرے پر ہمیشہ الجھن کے آثار رہتے ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ ایک عجیب سی خواہش ہے جسے وہ معنی ومفہوم دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

وہ بے یقینی و کشمکش کے گہرے سمندر میں غوطہ لگاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

ان کی یہی بے چینی میرے دماغ اور ہڈیوں میں چبھن پیدا کر رہی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ آپ لوگوں کو محسن اور درمند سمجھ کر یہاں آئے ہوں مگر آپ جیسے لوگ ان کے درد کا مداوا کیا کر سکتے ہیں۔

یا خدا! کہانیاں اور سائیکلوجی پڑھ پڑھ کے اس لڑکی کو کتنی ڈائیلاگ بازی آ گئی ہے۔ ثمینہ بیگم نے کہا!

بنا کچھ کہے وہ بڑے ابو کے کمرے میں چلی گئی۔ ان کے ذہن کو منتشر کرنے کے لئے کہا، چلئے بڑے ابو یہ بتایئے آپ حج کرنے گئے تھے میرے لئے کیا دعائیں مانگیں اور کیا کیا لے کر آئے ہیں۔

پتہ نہیں آپ نے میرے لئے کچھ مانگا بھی یا نہیں۔

''کیوں نہیں مانگوں گا بیٹی۔ تم ہی تو ایک ہو، جو میری پسند ناپسند سمجھتی ہو''

اہو بڑے ابو

اتنا کہتے ہوئے وہ اندر چلی گئی۔

ثمینہ بیگم نے کہا، کیا دعائیں منگوا رہی تھیں۔ ایسی دعائیں تو چلتے پھرتے سبھی دے دیتے ہیں۔ اتنا ہی پیار کرتے ہیں تو گاؤں والی زمین کیوں نہیں دے دیتے اور مانگنا ہی ہے تو کام کی چیز مانگو۔ تمہیں تو وہ گاؤں بہت پسند ہے وہیں پر تمہارے لئے گھر بنوا دیں گے۔ آخر کار ساری زمین داماد کے ہی سپرد کریں گے۔ ان کا لہجہ زہر گھولنے والا تھا۔

امی! آپ کا ذہن کتنی آلودگیوں سے بھرا ہے اس کی صفائی کروا لیجئے۔

کیوں آپ ایسا برتاؤ کر رہی ہیں۔ بچارے اکیلے رہتے رہتے تنہائی سے گھبرا کر یہاں چلے آئے ہیں تو آپ نے ہنگامہ مچا رکھا ہے۔

''ان کی شکل دیکھ کر لگتا ہے کہ تنہائی کے احساس نے ان کے اندر تشنگی کا زہر گھول دیا ہے۔ آپ لوگوں کو یہ احساس کیوں نہیں ہے کہ انھیں کچھ کھونے کا غم اور پانے کی خواہش ہے۔ ہماری طرح ان کے ہونٹوں پر پھولوں جیسی ہنسی کیوں نہیں کھلتی۔ وہ مسکراتے تو ہیں مگر ایسی مسکراہٹ نہیں جس میں سچی خوشی شامل ہو''۔

سمیہ نے سوچ لیا تھا کہ بڑے ابو کی شکستہ زندگی کا حل ڈھونڈ کر ہی رہے گی۔ ہوسکتا ہے اس کا تیر بالکل صحیح نشانے پر جا کے لگے۔ اس نے امی سے کہا کہ میرے کپڑے پریس کر دو کل میم کی شادی میں جانا ہے تب تک میں بڑے ابو سے باتیں کر کے آ رہی ہوں۔ آج میں ان کی الجھن دریافت کر کے رہوں گی۔

جا! لگ رہا ہے وہ ریت کے گھروندے ہیں جو ہوا کے طیش سے ڈر جائیں گے۔ اور تیرے پوچھنے پر اپنی الجھن بتا دیں گے۔

جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی انہوں نے پوچھا کس کی شادی میں جا رہی ہو۔

ارے بڑے ابو میرے اسکول میں ایک میم ہیں ادھیڑ عمر کی ہو چکی ہیں انھیں کی شادی اسکول والے ایک ادھیڑ عمر کے سر سے کروا رہے ہیں اسی لئے ہماری کلاس کو invite کیا ہے۔ پھر اسی جوڑے کی باتیں وہ لطف لے کر بتانے لگی کہ کس طرح ان دونوں کو شادی کے لئے راضی کیا گیا۔

اس نے بتایا کہ سر بے اولاد ہیں۔ اب بڑھاپے میں اکیلا رہنا بہت مشکل ہو رہا تھا اور میم بھی اکیلی اسٹاف کوارٹر میں رہتی ہیں ان کے بھی آگے پیچھے کوئی نہیں۔ اس طرح خود سر نے یہ خواہش ظاہر کی اکیلے رہنے سے بہتر یہی ہے۔ اور اس طرح بڑھاپے کی زندگی بھی اچھی گزر جائے گی۔

''مگر کیا بتاؤں بڑے ابو اس دنیا میں لوگوں نے ایسے واہیات اصول بنا دیئے

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

ہیں جس کی پابندی کے ڈر سے محبت اور اخلاص نام کی چیز ہی اٹھ گئی ہے ان اصول بنانے والوں کا بس چلے تو پھولوں تک کی کہ خوشبو چھین لیں۔''

باتیں کرنے میں وہ اتنا محو ہوگئی کہ اپنا مدعا بھی بھول گئی۔لیکن بات کرنے کے بعد اس نے ان کے چہرے پر ایسے آثار دیکھے جو ان کی بڑھتی ہوئی اندرونی الجھن کی عکاسی کر رہے تھے۔

سمیہ کی باتیں سن کر بڑے ابو کو کسی پل سکون نہیں مل رہا تھا اور نہ ہی سمیہ کو چین تھا اس نے ابو سے کہا آپ لوگ کیوں نہیں جاننا چاہتے کہ بڑے ابو کسی الجھن کا شکار ہیں وہ اتنے خاموش اور غمگین کیوں رہتے ہیں۔

''ارے بیٹا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ وہ عمر کی پختگی کو پہنچ گئے ہیں۔اسی لئے طبیعت میں سنجیدگی آ گئی ہے۔برسات کے پانی میں کاغذ کے ناؤ بہانے کی عمر تھوڑی ہے؟

اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا، میری بیٹی تو میچور ہوگئی ہے پھر کیوں آج ایسا بچکانہ سوال کر رہی ہے۔

وہ ناکامی کا احساس لئے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی اور شادی میں جانے کے لئے تیار ہونے لگی۔قد آور آئینے میں دیکھ کر خود کو سنوارتے ہوئے اس نے باہر کھڑے ہوئے بڑے ابو کا عکس بھی دیکھ لیا۔ڈوبتی ہوئی لہروں کے شفاف آئینے میں ان کا عکس تھرتھرا رہا تھا اور ان کے ہونٹ لرز رہے تھے۔وہ کچھ کہنا چاہ رہے تھے، وہ خوابوں اور خیالوں کی دنیا سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میز پر جائداد کے سارے کاغذات بکھرے ہوئے تھے ابو ناک پر موٹی سی عینک جمائے کہہ رہے تھے، بھیا! آپ فکرمند نہ رہیں، آپ کا سارا معاملہ صاف ہے اور ساری جائداد محفوظ ہے، آپ کی مرضی ہے جس کے نام کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔مگر ہاں! جو آپ

کے بڑھاپے کا سہارا بنے آپ اسی کے حق میں فیصلہ کریئے گا۔

انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔اب بڑھاپے کا سہارا کون ہوسکتا ہے۔سہارے تلاش کرنے کے بعد بھی ہاتھ نہیں آتے۔ابو نے حیرت سے کہا، بھیا! کیا ہوا آپ تو کچہری چلنے کے لئے کہہ رہے تھے۔

اب نہیں جانا ہے۔کیوں کہ مس رقیہ حسینی نکاح کرنے جا رہی ہیں۔کچہری نہیں جائیں گی۔

سمیہ حیرانی سے بڑے ابو کو دیکھنے لگی۔

مس رقیہ حسینی؟؟

لرزتے قدموں سے بڑے ابو کے قریب آئی اور پوچھا۔

کیا آپ اسی رقیہ حسینی کی بات کر رہے ہیں جو SPS کالج کی سینئر ٹیچر ہیں جن کا آج نکاح ہے؟؟

ہاں بیٹا! مجھے اعتبار کا رس گھولنے میں دیر ہوگئی اور ہواؤں کا رخ بدل گیا۔ویسے مدت ہوئی ان سے راہ و رسم تھی سوچا تھا آخری وقت میں ایک دوسرے کا سہارا بنیں گے۔

ابو کی عینک استعجاب سے نیچے آ گئی اور سمیہ کے ہاتھ سے گفٹ کا پیکٹ نیچے گر گیا۔سمیہ نے کہا یہ جملہ بے معنی ہوگیا کہ ''سنجیدہ و پختہ عمر والے بارش کے پانی میں کاغذ کی ناؤ نہیں ڈالا کرتے۔''

☆☆☆☆

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

نیرنگ جنوں

(افسانے)

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com

PDF generated by deskPDF Creator Trial - Get it at http://www.docudesk.com